سہ ماہی

شعور و آگہی

لاہور

جنوری تا مارچ 2010ء • محرم تا ربیع الاول ۱۴۳۱ھ • شمارہ نمبر 1 • جلد نمبر 2 • رجسٹرڈ نمبر S -370

www.rahimia.org

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

ہمارے مدارس کا نظامِ تعلیم اور جدید تقاضے

''درسِ نظامی جو اب تک ہمارے مدارس میں رائج ہے علومِ دینیہ کی حفاظت و اشاعت کے لئے تو بلاشبہ کسی حد تک کافی ہے، مگر ملکی نظام اور دفتری ضروریات تو آج یکسر بدلی ہوئی ہیں۔ ان میں ہماری قدیم منطق و فلسفہ اور قدیم ریاضی اور فارسی کام نہیں دیتی۔ آج فارسی زبان کی جگہ انگلش نے لے لی ہے۔ قدیم معقولات کی جگہ نئی سائنس و فلسفہ اور دوسرے علومِ جدیدہ نے لے لی ہے۔ اگر ہمارے متقدمین اپنے زمانہ کی ضروریات کے پیشِ نظر فارسی زبان کو اپنا سکتے ہیں، یونانی منطق و فلسفہ اور ریاضی کی تعلیم کو نصاب کا جزو بنا سکتے ہیں، تو آج ان کی اتباع اس میں نہیں کہ ہم اس وقت بھی وہی منسوخ شدہ اور کھوٹے سکے لے کر بازاروں میں پھرتے رہیں، بلکہ وقت کی ضرورت کے مطابق نصابِ تعلیم میں انگریزی زبان اور فنونِ جدیدہ پڑھنا پڑھانا وہی درجہ رکھے گا، جو اس زمانہ میں فارسی زبان اور یونانی فلسفہ کا مقام تھا۔ اگر آج حقیقت کو سمجھ کر ہمارے ماہرِ تعلیم علمائے کرام فارسی زبان کی جگہ انگریزی کو اور یونانی فلسفہ کی جگہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کو دے دیں تو اس میں نہ علومِ دینیہ کی تعلیم میں کوئی غلط تصرف ہوگا اور نہ ہی یہ اُسوۂ اسلاف کی اتباع سے باہر کوئی قدم رکھنا ہوگا۔''

(ہمارا نصابِ تعلیم اور جدید تقاضے)

www.rahimia.org

دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی، تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی

شعور و آگہی

لاہور

جنوری تا مارچ 2010ء / محرم تاربیع الاول ۱۴۳۱ھ | شمارہ نمبر 1 جلد نمبر 2 | رجسٹرڈ نمبر S-370

زیر سرپرستی

حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد رائے پوری** دامت برکاتہم العالیہ

مجلس ادارت

مدیر	مدیر اعلیٰ	صدر مجلس
محمد عباس شاد	مفتی عبدالخالق آزاد	پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن

مشاورت

☆ مفتی عبدالمتین نعمانی	بورے والا	☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل	سعودی عرب
☆ مفتی عبدالقدیر	چشتیاں	☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر علیمی	کراچی
☆ مفتی عبدالغنی قاسمی	لاہور	☆ پروفیسر حسین احمد علوی	چشتیاں
☆ مفتی محمد مختار حسن	نوشہرہ	☆ پروفیسر ڈاکٹر ابرار محی الدین	بہاولپور
☆ سید سیف الاسلام خالد	راولپنڈی	☆ پروفیسر محمد سعید اختر	اسلام آباد
☆ مولانا عبداللہ عابد سندھی	شکار پور	☆ پروفیسر تاج افسر	اسلام آباد
☆ مولانا محمد ناصر	جھنگ	☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد جہانگیر	لاہور

قیمت فی شمارہ: 100 روپے | سالانہ زرِ تعاون: 350 روپے

شعبہ مطبوعات

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

Ph:0092-42-36307714 / 36369089 , Web:www.rahimia.org

مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے علی فرید پرنٹرز، لاہور سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی مجلّہ "شعور و آگہی" لاہور، رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

www.rahimia.org

اس شمارے میں

اداریہ	حرفِ اول	مدیر اعلیٰ	3
شخصیات	سرگزشتِ حیات امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ	ترجمہ وتحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد☆	5
تحقیقات	حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مجموعۂ مسلسلات	مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی (انڈیا)☆	31
تاریخی دستاویز	مرکزی حزب الانصار، رائے پور، ضلع سہارن پور (کا تعارف، اغراض ومقاصد اور دستورِ اساسی)	تحریر وترتیب: مفتی عبدالخالق آزاد	59
تعلیم و تربیت	ہمارا نصابِ تعلیم اور جدید تقاضے	مولانا اللہ یارؒ☆	74
شخصیات	تحریکِ آزادی کی رہنما شخصیت حضرت مولانا محمد صادقؒ کھڈہ والے (کراچی)	تحریر: مولانا عبداللہ عابد سندھی☆	87
علمی لیکچر	دورِ حاضر میں ولی اللّٰہی فکر کی اہمیت جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں مدیر اعلیٰ کا ایک علمی، تحقیقی لیکچر		95
آراء و تأثرات	گرامی نامہ وتبصرہ		115

تعارف مقالہ نگار

☆ مفتی عبدالخالق آزاد

ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

☆ مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی

مدیر سہ ماہی ''احوال وآثار'' کاندھلہ، ضلع مظفر نگر (انڈیا)

☆ مولانا اللہ یار (مرحوم)

استاذ مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

☆ مولانا عبداللہ عابد سندھی

مدیر سہ ماہی ''انسانیت''، شکار پور، سندھ

www.rahimia.org

اداریہ

حرفِ اوّل

آزادیٔ وحریت کی حفاظت، عدل وانصاف کا حصول اور امن وامان کی بنیاد پر نظام کا قیام انسانیت کا بنیادی جوہر ہے۔ اور زندہ قوموں کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف اس انسانی جوہر کی حفاظت کرتی ہیں، بلکہ اس کی بنیاد پر عملی نظام قائم کرنے کے لیے ہر ممکن حد تک جدوجہد اور کوشش کرتی ہیں۔ اور سچے رہنمایانِ قوم وہی ہوتے ہیں جو اِن بنیادی انسانی امور کی اساس پر قوم کے مسائل حل کرنے کا راستہ بتلاتے اور سلیقہ وطریقہ متعین کرتے ہیں۔ خاص طور پر جب قوم زوال اور غلامی میں مبتلا ہوجائے تو اسے آزادی وحریت کا راستہ بتلانے، عدل وانصاف کے قیام کی جدوجہد کی جرأت وہمت ان میں پیدا کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اور قوم ان کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرکے کامیابی اور کامرانی کی منازل طے کرتی ہے۔

بلاشبہ برصغیر پاک وہند کے زوال کے دور میں اس انسانی جوہر کی حفاظت کے لیے ہمارے رہنمایانِ ملک وملت نے انتہائی جدوجہد وکاوش کی ہے۔ اور عدل وانصاف کے حصول اور آزادی وحریت کا راستہ اپنایا ہے۔ اور اس خطے کی غلامی میں مبتلا زوال پذیر قوم میں آزادی کی اُمنگ پیدا کی۔ ظلم وستم اور جبر واستحصال کی مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔ غلامی کی زنجیریں توڑنے کا جذبہ بیدار کیا۔ آزادی وحریت اور عدل وانصاف کے کام کے لیے تن من دھن کی قربانی دی۔ قوموں کی ترقی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے ان رہنمایانِ قوم کی جدوجہد کا سلیقہ، ان کا فکر وفلسفہ اور عملی سیرت وکردار کو اپنے سامنے رکھیں۔ اور ان کے زندگی بخش افکارِ صالحہ کی اساس پر تعمیرِ نو اور تشکیلِ جدید کا راستہ اپنائیں۔ خصوصاً انتشار زدہ حالت میں افکار کی یکسوئی، اعمال کی وحدت، اور کردار کی پختگی اسی طور پر حاصل ہوتی ہے، جب کہ قومی آزادی کے سچے رہنماؤں کا صحیح تعارف حاصل ہو۔

اسی تناظر میں اس شمارے میں آزادی وحریت کے لیے منظّم جدوجہد کرنے والی انقلابی شخصیت امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی سرگزشتِ حیات پیش کی جا رہی ہے۔ دوست اور دشمن سب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی وحریت کے لیے مولانا سندھیؒ نے عظیم الشان جدوجہد کی اور بے مثال قربانی پیش کی تھی۔ ایسے فردِ کامل کی زندگی کے اہم گوشوں کا مطالعہ یقیناً سوچ وفکر کے بہت سے زاویوں کو درست کرنے میں مدد دے گا۔ خاص طور پر جب کہ یہ سرگزشتِ حیات ان کی خود لکھی ہوئی ''آپ بیتی'' ہے۔ اس کے مطالعے سے یہ بات بھی عیاں ہوکر سامنے آئے گی کہ ان کی ذہنی تربیت اور فکری ساخت کس سانچے میں ڈھل کر تیار ہوئی ہے۔ ان کے سوچ

وفکر کے سوتے کس منبع سے پھوٹ کر سامنے آرہے ہیں۔ اور ان کی سیرت و کردار کے بنیادی پہلو، کس ماحول میں تیار ہوئے ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ اہل اللہ کے ایسے ماحول میں اپنی تعلیمی و تربیتی زندگی بسر کرتے ہیں کہ جس کی گہری چھاپ ان کی زندگی کے تمام مراحل میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ عربی خودنوشت کا اردو ترجمہ یقیناً مولانا سندھیؒ کی زندگی کے نئے زاویے قارئین کے سامنے رکھے گا۔

اس شمارے کا دوسرا مقالہ تاریخی تسلسل کی اہمیت کے تناظر میں ہے۔ بلاشبہ تاریخی تسلسل سے ہی دینی فکر پر اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ خاص طور پر نبی اکرم ﷺ سے ہم تک علوم نبوت کے پہنچنے کا تسلسل کن کن زاویوں اور پہلوؤں سے اپنی شناخت رکھتا ہے، اور محدثین نے اس سلسلے میں کتنی باریک بینی سے اس تاریخی تسلسل کو محفوظ کرنے کے لیے کاوشیں کی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس تاریخی تسلسل کو اپنے ''مجموعہ مسلسلات'' میں کس خوبصورتی کے ساتھ جمع کردیا ہے، یہ مقالہ انہی اُمور کے بہت سے پہلوں کا احاطہ کرتا ہے۔

اس شمارے کا تیسرا مقالہ آزادی وحریت کے لیے قائم کی جانے والی ایک اہم جماعت ''حزب الانصار'' کے تعارف پر مبنی ہے۔ جو کہ قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کے سوزِ دروں کا ایک اظہار ہے۔ اور یہ اس حقیقت کی نشاندہی بھی کرتا ہے کہ مشائخِ عظام اور اولیائے مجددین نے دینی نظام کے غلبے اور آزادی وحریت کے لیے جماعتوں اور تنظیموں کی تشکیل کی ہے۔ اس سے اس تأثر کی بھی نفی ہوتی ہے کہ مشائخ عظام کا جماعتوں وتنظیموں کے بنانے سے کیا تعلق ہے؟ گویا اس غلط تأثر کی بنیاد یہ ہے کہ اہل اللہ کو قوموں کی غلامی، ناانصافی وظلم کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں؛ حال آں کہ انسانیت کے دکھی ہونے، ان کے ظلم و استبداد کے ماحول میں رہنے سے سب سے زیادہ تکلیف سچے اولیاء اللہ کو ہوتی ہے اور وہ ایسے ماحول کو ختم کرنے اور خداپرستی کے نتیجے میں انسانیت دوستی کے لیے ہر طرح جدوجہد وکوشش کرتے ہیں۔ بلاشبہ خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کی زیرسرپرستی ''حزب الانصار'' کا قیام ایک اہم پیش رفت تھی۔ جس نے نظریہ وفکر کی درستگی میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

اس شمارے کا چوتھا مقالہ دینی نظامِ تعلیم کے جدید تقاضوں کے تناظر میں ہے۔ اور پانچواں مقالہ تحریک آزادی کی اہم شخصیت مولانا محمد صادق کھڈہ والوں کی زندگی کا تعارف ہے، یہ تحریکِ آزادی کے سربرآوردہ رہنماؤں کے تعارف کی ایک کڑی ہے، امید ہے کہ قارئین کے سامنے اس حوالے سے کئی گوشے واضح ہوں گے۔ اس کے بعد ایک علمی لیکچر ہے۔ جو راقم سطور نے اپنے انڈیا کے حالیہ سفر کے دوران برصغیر پاک و ہند کے عظیم ادارے ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' دہلی کے ایک ہال میں دیا تھا، اس میں معروضی حالات کے مطابق چند بنیادی اور اہم امور بیان کرنے کی توفیق ہوگئی۔ احباب کے اصرار پر اسے بھی قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

امید ہے کہ یہ شمارہ بھی گزشتہ کی طرح دلچسپی سے پڑھا جائے گا، اللہ تعالیٰ ہمیں درست خطوط پر سماجی زندگی کے امور کو سمجھنے اور اس حوالے سے اپنی دینی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق اَرزانی فرمائے۔ (مدیرِاعلیٰ)

www.rahimia.org

شخصیات

سرگزشتِ حیات

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

”تحدیث العبد الضعیف بنعمة ربه اللطیف“

(عربی خودنوشت سوانح کا اُردو ترجمہ)

ترجمہ وتحقیق: مفتی عبدالخالق آزادؔ

(1)

تعارف کتاب

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ایک عظیم الشان کتاب ”التمهيد لتعريف آئمة التجديد“ تحریر فرمائی ہے۔ جس میں برعظیم پاک و ہند کے آئمہ اور رہنمایاں کا تعارف کرایا ہے۔ یہ کتاب آپ نے مکۃ المکرّمہ میں لکھی تھی۔ جس میں آپ نے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ سے لے کر اپنے استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ تک اس دور کے مجددین کے سلسلۂ افکار و تعلیمات اور سلسلۂ اسناد وتسلسل کا تعارف پیش فرمایا ہے۔ آپ کی یہ اہم ترین تصنیف چار حصوں پر مشتمل ہے:

(۱) ”مقامِ محمود“: اس حصے میں حضرت شیخ الہندؒ کے سلسلۂ سند کی چالیس اسانید بیان فرمائی ہیں۔ جس میں تین ابواب میں دارالعلوم دیوبند سے وابستہ مشائخ اور رہنماؤں کی اسانید، ولی اللٰہی جماعت کے آئمہ کی اسانید اور ہزارۂ دوم کے مجددین کی اسانید بالترتیب بیان کی ہیں۔

(۲) دوسرا حصہ ”تحديث العبد الضعيف بنعمة ربه اللطيف“ کے عنوان سے ہے، جس میں حضرت سندھیؒ نے اپنی خودنوشت سوانح لکھی ہے۔ اور حضرت شیخ الہندؒ اور ہزارۂ دوم کے مجددین سے اپنے تعلق اور ان کے تجدیدی اَفکار کی وضاحت بیان کی ہے۔

(۳) تیسرا حصہ ”سبيـــل الـــرشـــاد“ کے نام سے ہے۔ جو بقول مولانا سندھیؒ؛ شاہ ولی اللہؒ کی دو کتابوں ”الانتباه فی سلاسل اولياء الله“ اور ”الارشاد الی سبيل الرشاد“ کے ذیل کے طور پر لکھا گیا

ہے۔ جس میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر آئمہ مجتہدینِ مطلق اور خلفائے راشدین تک تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف اور فلسفے کے سلسلۂ اسناد کو بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

(۴) چوتھا حصہ "مواقف المسترشدین" کے عنوان سے ہے۔ جس میں ہزارۂ دوم کے مجددین، خاص طور پر ولی اللّٰہی جماعت کے اُس تجدیدی کام کا تعارف کرایا ہے، جو انھوں نے حدیث، فقہ اور فن تطبیق الآراء کے حوالے سے کیا ہے۔ یہ حصہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ تک علمائے ربانیین کے علوم و اَفکار کے تجدیدی پہلوؤں کی وضاحت کرتا ہے۔ یوں اس سلسلے سے ان حضرات کا تجدیدی مؤقف بڑی جامعیت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

کتاب کی اہمیت

اس کتاب کی ہمیشہ سے علمائے کرام کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت رہی ہے، حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبندؒ نے 1955ء میں خاص طور پر دارالعلوم کے کتب خانے کے لیے اس کے قلمی نسخے کی نقل تیار کرائی تھی، اس موقع پر آپ نے تحریر فرمایا:

"التّمهيد لتعريف آئمّة التّجديد" یہ کتاب ایک تاریخی اور علمی و سیاسی مرقع ہے، جو حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکارِ صالحہ کا ثمرہ ہے۔ اس کے جلد سے جلد طبع اور شائع ہونے کی ضرورت ہے۔ احقر نے بھی اس کی ایک نقل کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کے لیے کرائی ہے۔ محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند، وارد حال کراچی، 5 نومبر 1955ء۔" (1)

اسی طرح مولانا عبدالحئی لکھنوی نے (والد گرامی مولانا ابوالحسن علی ندویؒ) مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اور اس کتاب کی اہمیت اور مولانا سندھی کے فکر اور نظریے کی وسعت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومن احسن ما كتب "التمهيد فى ائمة التجديد" بالعربية، الفه بمكة، و مقالة عن الشيخ ولى الله الدهلویؒ، فى العدد الخاص بذالک لمجلة "الفرقان" الشهريه تدل على سعة نظره وعمق فكرته." (2)

"مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تالیفات میں سب سے بہترین کتاب عربی زبان میں لکھی گئی "التمهيد فى آئمة التجديد" ہے۔ جسے انھوں نے مکہ مکرمہ میں تالیف کیا تھا۔ اور شاہ ولی اللہؒ پر ایک مقالہ (شاہ ولی اللہؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف) جو ماہنامہ "الفرقان" کے خاص نمبر کے لیے لکھا تھا، یہ دونوں تالیفات مولانا سندھیؒ کے وسعتِ نظر اور فکری گہرائی پر دلالت کرتی ہیں"۔

www.rahimia.org

آئندہ صفحات میں اس کتاب کے دوسرے حصے کا اُردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔ مولانا سندھیؒ نے اپنی اس خودنوشت سوانح میں اپنے حالاتِ زندگی، اپنے فکر وعمل کی تشکیل اور اس کے تدریجی ارتقاء کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سندھیؒ شریعت میں ایک پختہ کار عالم ربانی، طریقت کے میدان کے شناور اور بہت سے مشائخ سے اجازت یافتہ ہیں۔ نیز سیاست میں ایک سچے اور مخلصانہ کردار ادا کرنے والے بے باک قائد، جرأت مند اور بہادر رہنما کے طور پر انقلابی کردار ادا کرنے والے اہم رہنما ہیں۔ یہ کتاب اُردو زبان میں لکھی ہوئی خودنوشت سوانح سے زیادہ جامعیت کی حامل اور ممتاز ہے۔ مولانا سندھیؒ کی سوانح کا اشتیاق رکھنے والے لوگوں کے لیے اس میں بہت سی نئی اور مفید باتیں آگئی ہیں۔ اُمید ہے کہ قارئین اسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔

مقدمہ

از مصنف

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى! اما بعد! "التمهيد للائمة التجديد" کے سلسلے میں یہ چند اوراق ہیں۔ جن میں کچھ اپنے اُن حالات کا تذکرہ کیا ہے، جو مجھ پر گزرے ہیں۔ اور ان افکار ونظریات کا ذکر ہے، جن کا میری زندگی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ کتاب کے مطالعے میں بصیرت پیدا ہو۔ اور عقل مند و باشعور لوگوں کے لیے مزید افادیت کا باعث بنے۔

میں نے اس کتاب کا نام "**تحديث العبد الضعيف بنعمة ربه اللطيف**" رکھا ہے۔ اور یہ چند ابواب (۱۲) اور چند فصول پر مشتمل ہے۔ **والله الهادى.**

باب (1): تعلیم وتربیت

فصل (۱): پیدائش اور ابتدائی تعلیم

بندۂ ضعیف ابوالحسین عبید اللہ بن الاسلام ــــ جو پیدائش کے حوالے سے ہندوستانی اور سیالکوٹی ہے، تعلیم و تربیت کے حوالے سے دیوبندی ہے، اور سکونت کے حوالے سے سندھی اور پھر دہلوی ہے ــــ کہتا ہے کہ میں (جمعۃ المبارک کے دن، ۱۲/محرم) ۱۲۸۹ ہجری بمطابق (10 مارچ) 1872 عیسوی میں پیدا ہوا۔

میں نے ۱۲۹۵ھ بمطابق 1878ء سے تعلیم کا آغاز کیا۔ ریاضی، حساب، الجبرا، اُقلیدس اور تاریخ ہند میری دلچسپی کے خصوصی موضوعات رہے ہیں۔ ان موضوعات پر مَیں نے اس سے زیادہ مطالعہ کیا، جتنا کچھ عام طور پر

www.rahimia.org

سکولوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ ان علوم پر میں نے دسترس حاصل کی۔ ادب عربی کی ابتدائی کتابیں میں نے صرف ایک سال میں پڑھ لیں، اردو زبان میں لکھی ہوئی ہر اُس کتاب کا میں نے مطالعہ کیا، جو میرے ہاتھ لگی۔

مطالعۂ اسلام

۱۳۰۱ ہجری (1884ء) میں شیخ عبید اللہ (مالیرکوٹلی) — جو ہندو سے مسلمان ہوئے تھے — کی تحریر کردہ کتاب ''تحفۃ الہند'' میری نظر سے گزری۔ میں نے اس کا خوب مطالعہ کیا۔ یہاں تک کہ میں نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا۔ اور اسے اچھی طرح حفظ کرلیا۔ اس طرح اللہ پاک نے مجھے اسلام کے عقائد پر پختہ یقین و ایمان کی توفیق بخشی۔ اور میں نے خفیہ طور پر طہارت، نماز اور روزہ وغیرہ شریعت کی بنیادی تعلیم حاصل کرنی شروع کردی۔ پھر اس دوران میں نے الشیخ الجلیل مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' اور شیخ محمد بن بارک اللہ لاہوریؒ کی کتاب ''احوال الآخرۃ'' کا مطالعہ کیا۔

قبولِ اسلام

مجھے جب بھی تنہائی ملتی، عبادت میں مشغول ہوجاتا۔ خاص طور پر اندھیری راتوں میں، مَیں اکیلا نماز پڑھا کرتا۔ اور اس عبادت اور مناجات میں ایسی لذت پاتا کہ اس کے بعد بہت کم ایسی لذت نصیب ہوئی ہے۔ میں نے ۱۳۰۴ ہجری (مئی 1887ء) کے رمضان المبارک میں چند روزے بھی رکھے۔ پھر گھر والوں کو پتہ چل جانے کے خوف سے روزے رکھنے چھوڑ دیے۔

اب مجھ پر اس بات کا غلبہ بڑی شدت سے بڑھتا جا رہا تھا کہ میں اپنے اسلام کا اظہار کروں، لیکن میں گھر چھوڑ کر ہجرت کرنے کا طریقہ نہیں جانتا تھا۔ ایسے حالات میں حضرت یونس علیہ السلام کی دعا ''لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین'' کو میں پوری پابندی کے ساتھ پڑھنے لگا، چنانچہ ذوالقعدہ ۱۳۰۴ ہجری (15 اگست 1887ء) میں اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ہجرت کے اسباب پیدا کردیے، اور میں خفیہ طور پر اپنے گھر اور شہر سے نکل کھڑا ہوا۔ سندھ میں جا کر میں نے اپنے اسلام کا اعلان کردیا۔ اور اپنا نام ''عبید اللہ'' رکھا۔ اس وقت میں اپنی عمر کے سولھویں سال میں تھا۔

سندھ میں سید العارفین کی خدمت میں

پھر میں سید العارفین (حضرت) الحافظ محمد صدیق قدس سرہٗ (بھرچونڈی شریف والے) کی خدمت میں پہنچا۔ انھوں نے مجھے کلمۂ توحید (لا الٰہ الا اللہ) کی تلقین کی۔ صفر ۱۳۰۵ھ (اکتوبر 1887ء) کو میں اُن کے ہاتھ پر بیعت ہوگیا۔ یہ بزرگ ''سلسلۂ راشدیہ'' کے اماموں میں سے تھے۔ یہ سلسلہ، ''سلسلۂ قادریہ'' کی جیلانی شاخ اور ''نقشبندیہ مجددیہ'' کی شاخ ''آدمیہ حسینیہ'' کا جامع ہے۔ ہمارے شیخِ محترم سنی حنفی تھے۔ اور (حضرت) مولانا محمد

www.rahimia.org

اسماعیل شہیدؒ کے طریقے کے مطابق شرک و بدعت سے ہمیشہ منع فرماتے تھے۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے الصدر الشہید سید احمد شہید رحمہ اللہ کی صحبت میں بھی کچھ وقت گزارا تھا۔ جب کہ وہ جماعت مجاہدین کے ہمراہ سندھ (گوٹھ پیر جھنڈا، جو (''سلسلۂ راشدیہ قادریہ'' کا مرکز ہے) میں تشریف لائے تھے۔ اور وہاں سے افغانستان (آزاد قبائل) کی طرف ان کا جانا ہوا تھا۔ اس دوران ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے حضرت سید صاحبؒ اور ان کی جماعت کی صحبت سے اپنے دل کو خوب منور کیا تھا۔ رضی اللہ عنہم اَجمعین

شیخ کی صحبت کے اَثرات

میں اپنے شیخ کی صحبت میں دو ماہ کے قریب رہا۔ میں ان کے ساتھ نماز با جماعت پڑھتا۔ ان کے حلقۂ ذکر میں شریک ہوتا۔ اور ان کے ارشاداتِ عالیہ کو پوری توجہ سے سنتا تھا۔ جو وہ مختلف مجلسوں میں بیان فرماتے تھے۔ شیخ رحمہ اللہ میرے ساتھ ایک والد کی طرح پوری شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے۔ اور میری طرف متوجہ رہتے تھے۔ میں ان کی گفتگو کی چاشنی اور ان کی صحبت کی لذت کبھی نہیں بھلا سکتا۔ آپ کی صحبت کا اثر تب مجھ پر پوری طرح ظاہر ہوا، جب میں اُن سے جدا ہوا۔ گویا میں کھلی آنکھوں دیکھ رہا ہوں کہ ایک پر لطف اور باوقار ہیبت کا حامل نور مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ اور مجھے اس کیفیت اور معرفت کا پورا یقین اُس وقت کامل طور پر حاصل ہوا، جب میں اپنے دوسرے شیخ، شیخ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صحبت سے مشرف ہوا۔ بے شک میں نے ان کی صحبت میں ویسا ہی اثر اور نور محسوس کیا جیسا کہ سید العارفین کی صحبت سے حاصل ہوا تھا۔

بزرگوں کے اس صالح اجتماع میں رہنے کی برکت سے اسلامی معاشرت میری طبیعت کی گہرائیوں میں پوری طرح رَچ بس گئی۔ اور میں اپنے آپ کو اسی اجتماعِ صالح پر مبنی خاندان کے ارکان میں سے ایک رکن سمجھنے لگا۔ لوگوں نے مجھے بعد میں بتلایا کہ سید العارفین کی صحبت سے جدائی کے بعد بھی شیخ محترم میرے حالات سے پوری طرح باخبر رہے۔ اور میرے لیے بڑی دعائیں فرماتے رہے۔ ان کی کچھ دعاؤں کو قبول ہوتے میں نے خود دیکھا ہے۔ مثلاً ان کی یہ دعاء قبول ہوئی کہ ''اللہ تعالیٰ مجھے علم وفکر میں پوری طرح رسوخ رکھنے والے علماء پر ہی اعتماد کرنے کی توفیق نصیب فرمائے''۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ اُن کی تمام دعاؤں کو اسی طرح قبول و مقبول فرمائے۔

فصل (۲): تعلیمی مراحل

جب میں نے علومِ شرعیہ کی تعلیم حاصل کرنا شروع کیا تو سندھ اور ملتان کے بعض اساتذہ سے صرف ونحو کی چند ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اسی دوران سید العارفین کے خلیفہ اَجل حضرت مولانا ابوالسراج غلام محمد دین پوری کی خدمت میں چھ ماہ تک قیام پذیر رہا۔ (3)

دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کا حصول

پھر میں نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ یہاں میں نے صفر ۱۳۰۶ھ (اکتوبر 1888ء) ابن حاجب کی کتاب ''کافیہ'' پڑھی۔ اور جب میں نے ''شرح جامی'' پڑھنا شروع کی تو دارالعلوم کے اساتذہ میں سے ایک فاضل استاذ سے کتاب کے مطالعہ کرنے کا طریقہ سیکھ لیا۔ اور اس کی مدد سے مختصر مدت میں مَیں نے مطالعہ کرنے میں ایسی مہارت حاصل کرلی کہ ایک فن کی یکے بعد دیگرے پڑھائی جانے والی اکثر کتابوں کو مجھے اساتذہ سے پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔

میں نے ''تحفۃ الہند'' اور ''تقویۃ الایمان'' میں پڑھا تھا کہ جاہل مسلمانوں میں ہندوؤں کی طرح مشرکانہ رسوم بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہیں۔ پھر جب میں سندھ گیا تو وہاں سیدالعارفین کی جماعت کو دیکھا کہ وہ حنفی ہیں۔ اور اس قسم کی رسومات سے قطعی پرہیز کرتے ہیں۔ اسی طرح میں نے اہل حدیث کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ ان رسومات کے ردّ میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ وہ لوگ قریبی بستی سے سیدالعارفین کی مسجد میں آیا کرتے تھے۔ اور رکوع وغیرہ میں جاتے ہوئے رَفع یدین کرتے تھے۔ اور جہری نمازوں میں آمین بلند آواز سے کہتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ یہ دونوں جماعتیں شرک و بدعت کے ردّ میں اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے احترام وعظمت کے بارے میں آپس میں ایک دوسرے سے اتفاق رکھتے تھے۔ پھر جب میں نے ملتان (کوٹلہ رحم علی، مظفر گڑھ) کی طرف سفر کیا، تو حنفیوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ شرک و بدعت میں ملوث ہیں۔ یہ لوگ مولانا محمد اسماعیل شہید سے بغض ونفرت رکھتے ہیں۔

پھر جب میں دیوبند آیا اور دارالعلوم کی جماعت کو دیکھا کہ وہ سیدالعارفین کے مسلک کے قریب ہیں۔ یعنی یہ لوگ حنفی ہیں، اور مولانا محمد اسماعیل شہید کا تذکرہ بڑے اچھے انداز میں کرتے ہیں، اس طرح اس جماعت کے ساتھ ملنے پر مجھے پوری طرح شرح صدر حاصل ہوگیا۔

منطق وفلسفہ کی تعلیم

پھر میں منطق وفلسفہ کی کتابیں پڑھنے میں مشغول ہوگیا۔ اس سلسلے میں مَیں نے کانپور اور رامپور کا سفر کیا، اور وہاں میں نے مفتی لطف اللہ اور مولانا الفاضل عبدالحق (خیر آبادی) کے تلامذہ سے منطق وفلسفہ پڑھا۔ (4) اس مقصد کے لیے میں تقریباً چھ ماہ مدرسہ دیوبند سے غائب رہا۔ پھر صفر المظفر ۱۳۰۷ھ (اکتوبر 1989ء) میں واپس (دیوبند) لوٹ آیا۔

میں نے اکثر اساتذہ کو دیکھا کہ وہ علومِ عقلیہ میں بھی عام طور پر شروح وحواشی پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور فلسفیانہ مشکل مسائل کو حل کرنے کے لیے اپنے غور وفکر کو استعمال میں نہیں لاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مَیں نے ایسے اساتذہ سے بہت تھوڑا نفع اُٹھایا۔ مجھے علوم کے حصول میں اللہ پاک نے دو وجہ سے بہت نفع دیا۔ ایک یہ کہ میں نے غور وفکر کے استعمال کو اپنی عادتِ ثانیہ بنا لیا تھا۔ دوسرے یہ کہ میں نے ریاضی اچھی طرح پڑھی ہوئی تھی۔ اور کتابوں

کے مطالعے کا طریقہ خوب اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان کا تمام باتوں میں اندھا مقلد نہیں بنتا تھا۔ ان لوگوں کے نزدیک مناقضات میں چند باتیں اس لیے مسلّمہ سمجھی جاتی تھیں، کہ وہ اپنے اساتذہ کے لکھے ہوئے حواشی کے بارے میں بڑا حسنِ ظن رکھتے تھے۔ البتہ میں نے فاضل عبدالحق خیرآبادی کے شاگردوں کو دوسروں سے بہت زیادہ عقلمند پایا ہے۔

اصولِ فقہ کی تعلیم

فلاسفہ کی کتابوں کی تعلیم سے فراغت کے بعد مَیں نے علمِ اصولِ فقہ اور علمِ کلام کی تعلیم کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ ان علوم کی ابتدائی کتابیں میں نے دارالعلوم دیوبند کے اساتذۂ کرام سے پڑھیں۔ ان اساتذہ میں سے شیخ ابوالطیب احمد بن شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) بھی ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں

پھر میں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے پاس کتاب ''التوضیح والتلویح'' پڑھنی شروع کی۔ میں دورانِ درس روزانہ اُن سے ایک یا دو جملے ایسے سنا کرتا تھا، جو حواشی و شروحات میں موجود نہیں ہوتے تھے۔ پھر میں اُن جملوں پر غور و فکر کرتا تو اس سے مجھے بڑا اطمینان حاصل ہوتا۔ اس طرح میری نظر میں شیخ الہندؒ کی قدر و منزلت بڑھتی چلی گئی۔ پھر آہستہ آہستہ میرے اُس خیال میں تبدیلی آنے لگی، جو میں نے (دیگر اساتذہ کو دیکھتے ہوئے) اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں قائم کیا تھا کہ: ''میں کتابوں کو حل کرنے کے لیے فقط اپنے مطالعے پر ہی اعتماد کروں گا''۔ حضرت شیخ الہندؒ کو دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ ایسے قابلِ قدر اُستاذ سے ہی علوم و افکار کا حاصل کرنا میرے لیے انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت کو میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا۔ اور میں نے فقہ کی کتاب ''ہدایہ'' اُن سے پڑھی، (اور علم معانی اور بیان کی کتاب) ''مطول'' اور ''تفسیر بیضاوی'' بھی انہی سے پڑھی۔ اور ''شرح مواقف''، ''مسلم الثبوت'' اور ''الاتقان فی علوم القرآن'' کے مشکل مقامات میں اُن سے رجوع کرتا رہا۔

شعبان ۱۳۰۷ھ (مارچ 1890ء) میں سالانہ امتحان کے موقع پر دارالعلوم (دیوبند) کے تمام اساتذہ مجھ سے بہت خوش ہوئے۔ ان اساتذہ میں مولانا سید احمد دہلویؒ بھی تھے۔ (5) اساتذہ کرام نے مجھے انتہائی اعلیٰ درجے میں کامیابی کی سند لکھ کر دی۔ ایسی سند دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں ایک دو کے سوا کسی کو نہیں دی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص فضل تھا۔ فللّٰہ الحمدُ والشُّکر

تعلیمی دور میں تصنیف و تالیف

۱۳۰۷ھ (1890ء) کے آخر (رمضان المبارک) میں مَیں نے اصولِ فقہ میں ایک کتاب ''مراصد الوصول الی مقاصد الاصول'' لکھی۔ جس میں (اصولِ فقہ کی کتاب) ''مسلم الثبوت'' کی تلخیص کی تھی۔ اور

www.rahimia.org

جہاں تک میرے غور و فکر نے میرا ساتھ دیا، میں نے اس کتاب میں "**تحریر ابن ھمام**" ، "**شرح المختصر للعضد**" ، شیخ نظام الدین لکھنوی کی "**شرح مسلم الثبوت**" اور "**شرح بحر العلوم**" میں سے مفید باتوں کا اضافہ کیا تھا۔ جب مَیں نے یہ کتاب اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پیش کی، تو آپ نے اس کی بہت زیادہ تعریف فرمائی۔ اور متعدد مرتبہ میرے لیے تعریفی کلمات دُہرائے۔

حضرت الامام نانوتویؒ کی کتابوں سے استفادہ

جب میں علم اصولِ فقہ اور علم الکلام سے فارغ ہوا تو اپنے استاذ الاساتذہ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ثم دیوبندی کی کتابوں کے مطالعے میں مشغول ہوا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں نے ان کتابوں میں اپنی گمشدہ چیز کو پالیا۔ ان کتابوں کے مطالعے سے میرا سینہ کھل گیا۔ اور بہت سے مشکل مسائل حل ہوئے۔ اس لیے کہ شیخ الاسلام حضرت نانوتویؒ (اپنے فکر کی وضاحت کے لیے) کوئی جملہ اس وقت تک معرضِ تحریر میں نہیں لاتے تھے، جب تک اس پر عام طور پر مشہور و معروف علوم سے استدلال نہ کرتے ہوں۔ وہ اپنی کتابوں میں بیان کردہ مشکل مسائل کو واضح کرنے کے لیے ریاضی کے اُصولوں کی روشنی میں مثالیں پیش کرتے ہیں۔ اور اپنی دلیل کے مقدمات میں گزشتہ علما کی ایسی باتوں کو بالکل نقل نہیں کرتے جو ان کی اصطلاحات سمجھے بغیر سمجھ میں آنا مشکل ہوں۔ آپ سلیس اُردو زبان میں ایسی فصاحت کے ساتھ بات کرتے ہیں کہ جس میں کسی حاشیہ اور شرح کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور بڑے دلائل اور شواہد کے ساتھ ہندوؤں، عیسائیوں اور مشرکین پر اپنی حجت اور دلیل پیش کرتے ہیں۔ مَیں چونکہ ہندوؤں وغیرہ کے بعض عقیدوں سے بڑی اچھی طرح واقف ہوں۔ اس تناظر میں شیخ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے دلائل و شواہد مجھے اپنے دل کی گہرائیوں میں اُترتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ اس طرح بحمداللہ حضرت شیخ الاسلام نانوتویؒ کی کتابوں کے مطالعے کی برکت سے فلاسفہ، متکلمین، ملحدین اور دہریہ لوگوں کے شکوک وشبہات سے مَیں اچھی طرح نجات پا گیا۔

میں اپنے ہم عصر دوستوں کو دیکھتا تھا کہ وہ شیخ الاسلام حضرت نانوتویؒ کی کتابوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اور ان کا بڑا اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ لیکن انھیں پڑھتے نہیں تھے۔ اس لیے کہ وہ ریاضی کے علوم سے واقف نہ تھے۔ یہ لوگ کسی ایسی کتاب کو پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے، جس کا حجم کوئی دوسو صفحات پر مشتمل ہو۔ اور اس میں نہ کوئی فصل ہو، اور نہ کوئی باب قائم کیا گیا ہو۔ اور میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میرا حافظہ بڑا قوی تھا۔ اور مجھے مسلسل اور طویل مضامین پڑھنے کی عادت تھی۔ چنانچہ میں نے حضرت نانوتویؒ کی کتابوں سے علم کا بڑا وافر حصہ پایا۔

اسی دوران میں نے شیخ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے حالاتِ زندگی کے بہت سے واقعات اپنے اساتذہ سے بارہا سنے۔ خاص طور پر اپنے استاذ حضرت مولانا ابوالطیب احمد بن شیخ الاسلام (محمد قاسم نانوتوی) الدیوبندی مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ان کے بہت زیادہ واقعات سنے۔ وہ ہر روز آپ کی زندگی کا کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور ہمیں سناتے

تھے، چنانچہ انھی واقعات سے مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت نانوتویؒ کے استاذ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مملوک العلیؒ اپنی فراست سے یہ سمجھ چکے تھے کہ ''مولانا نانوتویؒ مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی طرح بنیں گے''، چنانچہ امام محمد اسماعیل شہیدؒ کے بعد شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو میں اپنا ''امام'' مانتا ہوں اور اس پر میں بہت خوش ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت

انھیں دنوں میں نے نبی اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی کہ ایک واقعہ میں آپ ﷺ مجھے خوش خبری سنا رہے کہ میں آٹھویں صدی کے اہلِ علم میں سے ایک بڑے مرتبے والے آدمی کے مرتبے تک پہنچوں گا۔ اسی دوران میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بھی خواب میں زیارت کی۔ مجھے امام ابوحنیفہؒ کا وہ خطاب بھی اچھی طرح یاد ہے جو انھوں نے امام ابویوسفؒ کو دیا تھا۔ میرے بعض دوستوں نے بھی میرے بارے میں بعض عمدہ خوابات دیکھے۔ جو اگرچہ انھوں نے میرے سامنے بیان نہیں کیے۔ مگر ایک خواب یہ ضرور بیان کیا کہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت میری پیروی پر ضرور جمع ہوگی، یا اسی سے ملتا جلتا خواب تھا۔

مجھے دارالعلوم دیوبند سے بڑی محبت ہے۔ خاص طور پر میرا وہ کمرہ جس میں مَیں نے یہ تمام خوابات دیکھے ہیں۔ اور یہ واقعات گزرے ہیں۔ میری عادت ہے کہ میں اپنے گھر اور علاقے والوں سے محبت کرتا ہوں، پس اللہ کا شکر کہ جو کچھ اس نے مجھے الہام کیا، اور سکھلایا۔

فصل (۳): (علم حدیث کا حصول)

۱۳۰۸ھ (1890ء) سے مَیں علم حدیث کے حصول کی طرف متوجہ ہوا، چنانچہ "جامع ترمذی" کا اکثر حصہ میں نے اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھا۔ اور "سنن ابوداؤد" کا اکثر حصہ شیخ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھا۔ اسی طرح اہلِ علم کی ایک جماعت سے مَیں نے علم حدیث پڑھا، جس کی تفصیل آگے چل کر بیان کرتا ہوں۔ البتہ یہاں پر اتنا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے شیخ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اس سلسلۂ تعلیم کے اساتذہ میں میرے باپ کا سا مقام و مرتبہ رکھتے ہیں، اور باقی اساتذہ چچاؤں اور اَجداد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''ازالۃ الخفاء'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''میرے شیخ ابوطاہر نے مجھے بتلایا کہ اُن کے استاذ شیخ حسن العجیمی المکی نے ایک مرتبہ فرمایا: ایک مرتبہ میں نے اپنے استاذ شیخ عیسیٰ المغربی سے پوچھا: آیا کسی طالبِ علم کا ایک شیخ اور اُستاذ ہو، جس سے وہ علم حاصل کر رہا ہوں، کیا اس کے لیے ایسی حالت میں کسی دوسرے استاذ اور شیخ کے پاس طلبِ علم کے لیے جانا مناسب ہے یا نہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ: ''باپ بہرحال ایک ہی ہوتا ہے، البتہ چچے ایک سے زائد بھی ہوسکتے ہیں''۔ انتھیٰ (6)

www.rahimia.org

شیخ الاسلام حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں

میں نے "سنن ابی داؤد" کا ایک بہت بڑا حصہ اپنے استاذ، شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پوری فہم و بصیرت اور تفقہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالکریم بائلی نے اُمہاتِ کتب حدیث کی تشریح کے سلسلے میں شیخ الاسلام حضرت گنگوہیؒ کی ان تمام تحقیقات کو امالی کی صورت میں قلم بند کیا ہے۔ جو انھوں نے دورانِ درس سنی تھیں۔ ان امالی کا مسودہ اگرچہ تھوڑے صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن اُن میں پر مغز معانی بڑی کثرت سے بیان کیے گئے ہیں، چنانچہ "جامع ترمذی"، "سنن ابی داؤد" اور "سنن نسائی" پر جو کچھ شیخ بائلی نے لکھا تھا، وہ میں نے اُن سے لے کر مطالعہ کیا اور اُسے حفظ کر لیا۔ (7)

اور یہ شیخ عبدالکریم بائلی وہ ہیں، جنہوں نے ہمارے استاذ کے شیخ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور ہمارے شیخ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ انھوں نے اپنے بھائی شیخ عبدالرحیمؒ سے بھی پڑھا ہے۔ جو کہ شیخ الاسلام مولانا نذیر حسین دہلویؒ (شاگرد حضرت الامام شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ) کے شاگرد تھے۔ میں نے شیخ عبدالکریم بائلی سے بعض کتابیں پڑھیں، اور مجھے ان سے اجازتِ حدیث بھی حاصل ہے۔ نیز انھوں نے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کتابوں کے مطالعے اور فہم میں بھی میری بڑی مدد فرمائی۔ اسی طرح انھوں نے نواب صدیق حسن قنوجیؒ کی کتابوں کے مطالعہ کرنے میں بھی میرے ساتھ بہت تعاون کیا۔ شیخ عبدالکریم بائلیؒ پختہ دیوبندی اور اہل حدیث کے طریقہ کے عالم تھے۔

حضرت گنگوہیؒ کی صحبت کا اثر

شیخ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے جو کچھ مجھے فہم و بصیرت حاصل ہوئی، اس نے مجھے بہت نفع دیا، میں نے حضرت اقدس گنگوہی سے بہت استفادہ کیا۔ میرے رَگ و پے میں انہی کی صحبت کے اثرات سرایت کیے ہوئے تھے۔ جس نے مجھے اِدھر اُدھر بھٹکنے سے باز رکھا اور انہی کی صحبت کی برکت سے ہی مجھ پر ولی اللہی طریقۂ فکر و عمل خوب واضح اور روشن ہو گیا۔ میں نے اپنی اِن آنکھوں سے دیکھا کہ بے شک حضرت گنگوہیؒ ایک ماہر امام تھے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں مجتہدانہ شان رکھتے تھے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہمارے اُستاذ حضرت گنگوہیؒ صدر الحمید مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے، جیسا کہ ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ صدر الشہید مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

لیکن مجھے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے تمام کتبِ حدیث کی عمومی اجازت نہیں مل سکی۔ چناں چہ میں نے اپنے اُن دوستوں اور ساتھیوں سے عمومی اجازت طلب کی۔ جنھیں حضرت گنگوہیؒ نے اسی طرح کی اجازت دی ہوئی تھی۔ ان میں سے شیخ عبدالرزاق کابلیؒ بھی تھے۔ انھوں نے مجھے اُن تمام کتب حدیث کی روایت کی اجازت دی، جن کی شیخ گنگوہیؒ نے انھیں اجازت دی تھی۔ یہ شیخ عبدالرزاق کابلیؒ وہی ہیں، جو امیر عبدالرحمٰن خان (شاہِ افغانستان) کے

زمانے سے لے کے امیر حبیب اللہ خان کے آخر زمانے تک کابل میں ''مجلس تحقیقاتِ شرعیہ'' کے سربراہ رہے۔ اور سلطان امان اللہ کے زمانے میں یہ اُس جنگ کے امیر المجاہدین رہے جو افغانستان نے ہندوستان کے انگریز حکمرانوں کے ساتھ لڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان سے راضی ہو جائے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی وصیت اور اجازتِ حدیث

اس سال (۱۳۰۸ھ) کے آخر (شروع 1891ء) میں میرے مربی اور استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے مجھے تمام کتبِ حدیث کی ''اجازتِ عامہ'' عنایت فرمائی، اور اس سلسلے میں آپ کی وہ تمام وصیتیں جنھیں میں نے حضرت شیخ الہندؒ سے سمجھا، اور انھیں ہمیشہ یاد رکھا، درج ذیل ہیں:

1۔ اُمہاتِ کتب (احادیث کی بنیادی کتابوں) کے لکھنے والوں نے احادیث کی صحت کے حوالے سے جو رائے قائم کی ہے، اس سے اختلاف و نزاع نہ کیا جائے۔ اور اس سلسلے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والے متاخرین کی باتوں کی طرف قطعاً توجہ نہ دی جائے۔

2۔ متعارض احادیث میں ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دینے کی بجائے، ان کے درمیان جمع و تطبیق کو مقدم سمجھا جائے۔

3۔ پوری ہمت اور عزم کے ساتھ احادیث میں فہم و بصیرت اور تفقّہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلے میں علم حدیث کے پہلے طبقے کی کتابیں یعنی ''مؤطا'' اور ''صحیحین'' اور دوسرے طبقے کی کتابیں ''سنن ترمذی'' اور ''ابوداؤد'' اور ''نسائی'' کو ہی پیش نظر رکھا جائے۔ اور اگر ضرورت پیش آئے تو اس سے زائد احادیث کے لیے ''مسند امام احمد'' پر اکتفاء کیا جائے اور اَحادیث کی شروح میں ''فتح الباری'' پر اعتماد کیا جائے۔ اور پھر ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی طرف رجوع کیا جائے۔

مجھے ہمیشہ علمائے مجتہدین اور شارحین حدیث کے باہمی اختلاف پر تشویش رہی۔ خاص طور پر وہ لوگ جو اپنے اپنے مذہب کے حوالے سے تعصب برتتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں علمائے اہل حدیث اور حنفی علماء دیوبند کے درمیان اختلاف کا موجود ہونا بھی میرے لیے باعث تشویش رہا۔ مجھے ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ میں اپنے آپ کو علم حدیث پر غور و فکر کے لیے بالکل فارغ کرلوں، اور اس سلسلے میں جن کتابوں کی مجھے ضرورت پڑے، انھیں جمع کرلوں۔ لیکن اسی دوران مجھے ایک ایسا مرض لاحق ہوگیا، جس سے مجھے اپنی ہلاکت کا خوف محسوس ہونے لگا۔ چناں چہ حکیم محمود خان دہلوی کے پاس اس مرض کا علاج کرانے کے لیے مَیں مدرسہ دیوبند سے نکلا اور دہلی چلا گیا۔

فصل (۴): دہلی آمد اور مطالعہ کتب

میں تین ماہ کے قریب دہلی میں رہا، اس دوران اللہ تعالیٰ نے یہ سہولت پیدا فرمائی کہ طبیہ کالج کے استاذ حکیم

جمیل الدین سے میری ملاقات ہوگئی۔ موصوف حضرت شیخ الہندؒ کے خواص لوگوں میں سے تھے۔ جب تک میرا دہلی میں قیام رہا، انھوں نے میری مہمان نوازی فرمائی۔ وہ مجھے ہندوستان کے ملک الاطباء حکیم محمود خان کے پاس لے گئے۔ اور علاج کے سلسلے میں بڑی پُرزور سفارش کی۔ اللہ تعالیٰ حکیم صاحب مرحوم کو میری طرف سے بہترین جزائے خیر عنایت فرمائے، کہ انھوں نے میرے علاج کے سلسلے میں خاص طور پر شفقت فرمائی اور بڑی توجہ سے تشخیص کی۔ اور جب انھوں نے صحیح تشخیص کے بعد علاج کرنے والوں کی اُس غلطی کا تذکرہ کیا، جس نے مرض کو مہلک بنا دیا تھا، تو مجھ سے اس مرض کا خوف اور اس کی دہشت دور ہوگئی۔ اور تقریباً بیس دن بعد اس مرض سے مجھے کچھ افاقہ محسوس ہونے لگا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتابوں کا مطالعہ

اس دَوران مَیں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتابوں کے مطالعے میں مشغول رہا، اور یہاں پر ہی مجھے حکیم مرحوم ومغفور کے کتب خانے سے شیخ ملاعلی قاریؒ کی ''شرح مشکٰوۃ'' ملی، اس کا نسخہ حکیم صاحب موصوف کے پاس وراثتاً چلا آرہا تھا، اس لیے کہ حکیم محمود خان کے خاندان کا رشتہ ناتا کسی نہ کسی طرح شیخ ملاعلی قاریؒ کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

چوں کہ میں نے علمائے دیوبند میں سے بعض اساتذہ سے دہلی کی جنگ (1857ء) کے متعلق بہت سی باتیں سن رکھی تھیں۔ اس لیے دہلی کے قیام کے دوران میں نے تاریخی معلومات کے حوالے سے دہلی کے تاریخی مقامات کا مشاہدہ بھی کیا۔ تاریخی دروس کے حوالے سے میرے لیے یہ انتہائی اہم ہے۔

فصل (۵): اہل حدیث علما اور ان کی کتب سے استفادہ

دہلی میں قیام کے دوران مَیں دو مرتبہ عظیم آبادی جماعت کے امام شیخ الاسلام سید نذیر حسین کی زیارت کے لیے گیا۔ اس جماعت کی تاریخ اور اس میں کام کرنے والے افراد کا تذکرہ ہم آگے چل کر کریں گے۔ میں ان کے ''صحیح بخاری'' اور ''جامع ترمذی'' کے بعض اسباق میں بھی حاضر ہوا۔ انھوں نے اپنے ہم عصر لوگوں کو علم حدیث کی جو اجازتِ عامہ دی تھی، اس میں مَیں بھی شامل ہوگیا۔ سید صاحب سے استفادہ کرنے والوں سے بھی میں نے استفادہ کیا۔ اور ان کی تصانیف کا بھی مطالعہ کیا، ان کے شاگردوں کی جماعت کے پہلے درجے میں شیخ امام عبدالجبار غزنوی اور شیخ الاجل، محقق استاذ عبداللہ غازی پوری ہیں۔ اور دوسرے درجے میں شیخ الصالح محمد بن بارک اللہ لاہوری، امام المحقق ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادی اور شیخ ابوسعید محمد حسین لاہوری جو کہ ہندوستانی اہل حدیث کے وکیل ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا سید نذیر حسین صاحب نے ''امیر الشہید'' (سید احمد شہیدؒ) اور ''الصدر الشہید'' (شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ) کی زیارت کی ہے۔ اور انھوں نے پہلے علمائے صادق پور سے علم حاصل کیا۔ پھر علمائے دہلی یعنی ''الصدر

www.rahimia.org

الحمید'' مولانا شاہ محمد اسحٰق اور آپ کے شاگردوں سے علم حاصل کیا۔ مولانا نذیر حسین اگرچہ اپنے استاذ ''الصدر الحمید'' کے طریقے پر رہے۔ مگر دہلی کی جنگ آزادی (1857ء) کے بعد انھوں نے اس سے تھوڑا بہت انحراف ضرور کیا۔ البتہ ان کی طرف اپنی نسبت کرنے والے افراد مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ کچھ ان میں سے بہت غلو کرنے والے تھے اور کچھ اعتدال پر رہے۔ خاص طور پر وہ مسلک جسے شیخ ابوسعید نے اہل حدیث جماعت کے لیے اختیار کیا۔ ایسے ہی ہر ایک جماعت مختلف استعداد رکھنے والے افراد کی وجہ سے تقسیم ہوجایا کرتی ہے۔

میں نے دہلی میں قیام کے دوران امیر قنوجی نواب صدیق حسن بھوپالی کی تصانیف سے بھی استفادہ کیا، یہ بھی عظیم آبادی جماعت کے امام ہیں، لیکن یہ شیخ الاسلام نذیر حسین دہلویؒ کے مقابلے میں علمائے یمن کی طرف زیادہ مائل ہیں۔

باب (2): مطالعہ، تحقیق وتدریس اور تصنیف وتالیف

فصل (ا): سندھ واپسی

منتشر خیالات کا غلبہ جب زیادہ ہوگیا، تو میں نے ارادہ کیا کہ میں سید العارفین کی خدمت میں حاضری دوں اور ان کی صحبت سے اطمینان وسکون حاصل کروں۔ چناں چہ (۲۰/ جمادی الثانیہ/ فروری 1891ء کو) میں دہلی سے چلا اور تین سال کے بعد سید العارفین کی جگہ ''بھرچونڈی'' پہنچا۔ میرے آنے سے دس دن قبل میرے شیخ رضی اللہ عنہ وفات پا چکے تھے۔ اس لیے میرے غموں میں مزید اضافہ ہوگیا۔ پھر یوں ہوا کہ آپ کے مخصوص خلفا — مولانا ابوالسراج غلام محمد نظام الدین دین پوری اور مولانا ابوالحسن تاج محمود علاؤالدین امروٹی — میری ظاہری اور باطنی تربیت کی طرف متوجہ ہوئے۔

اِمروٹ میں قیام

میں سندھ کے علاقے ''اِمروٹ'' میں دس سال (شوال) ۱۳۰۸ھ (مئی 1891ء) سے ۱۳۱۸ھ (1900ء) تک مولانا ابوالحسن (امروٹی) کی زیرنگرانی رہا۔ میں نے اسی جگہ رہتے ہوئے شادی کرلی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد سے نوازا۔ شادی سے قبل میں نے اپنی والدہ کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ وہ آئیں اور میرے پاس ٹھہر گئیں۔ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ (8) پھر جب میں ''دارالرشاد'' (گوٹھ پیر جھنڈا، نزد حیدرآباد، سندھ) منتقل ہوا، پھر دہلی گیا، وہ میرے ساتھ ہی رہیں۔ حتیٰ کہ مجھے ہجرت کرکے کابل جانا پڑا، تو میرے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

مطالعہ اور تحقیق میں مشغولیت

اِمروٹ میں قیام کے دوران مَیں مطالعہ، تحقیق، تصنیف وتالیف اور تدریس میں مشغول رہا۔ مطالعے کے سلسلے

میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت کچھ اس طرح پیدا کر دی کہ میرے شیخ ابوالحسن (اِمروٹی) کی ہمت اور تعاون سے میرے استفادے کے لیے بہت سی کتابیں جمع ہو گئیں۔ پھر میرے مطالعے میں اُس کتب خانے نے بھی بہت اضافہ کیا، جسے امام ابوالتراب رُشد اللہ — جو پیر جھنڈا کے چوتھے جانشین تھے — نے جمع کیا تھا۔ اسی طرح اپنے دوسرے شیخ ابوالسراج غلام محمد دین پوری کی ہمت سے مجھے شیخ ابوالفیض احمد الاحمد نوری کے کتب خانے کی کتابوں سے بھی بہت نفع ہوا۔ اس مطالعے کے نتیجے میں جو تفقہ اور بصیرتِ فقہی مجھے حاصل ہوئی، اس کی بنیاد پر مَیں نے علم فقہ کی کتابوں سے استفادے کے لیے چار قسمیں بنائیں:

1۔ پہلی قسم: امام ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے شاگردوں کی کتابیں۔

2۔ دوسری قسم: فقہائے حنفیہ میں سے محققین کی کتابیں، جیسے متقدمین میں سے امام طحاویؒ، ابو زید دبوسیؒ اور متأخرین میں سے جمال الدین زیلعیؒ اور کمال الدین ابن ہمامؒ کی وہ کتابیں جو انھوں نے ''ہدایہ'' کی شروحات کے طور پر لکھی ہیں۔

3۔ تیسری قسم: محققین شافعیہ کی کتابیں، جیسے متقدمین میں سے خطابیؒ اور بیہقیؒ، اور متأخرین میں سے امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ (عسقلانی)۔

4۔ چوتھی قسم: علمائے یمن کی کتابیں، جیسے محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانیؒ اور امام محمد علی الشوکانیؒ۔

میں نے قسم اول کی کتابوں کو اصل بنایا اور امام ولی اللہ دہلویؒ کے اُس طریقۂ تحقیق پر میں نے مہارت حاصل کی۔ جس میں وہ ''مؤطا امام مالکؒ'' کو تمام کتبِ حدیث و فقہ پر مقدم مانتے ہیں۔ دوسری قسم کی کتابوں کو میں نے اُس پہلی قسم کے تابع بنایا، پس اس طرح مجھے تحقیق پر پوری قدرت حاصل ہوگئی۔ اور اس نقطۂ نظر سے جتنا مجھے اطمینان مطلوب تھا، وہ مجھے حاصل ہو گیا۔

ایسے ہی مَیں نے تیسری قسم کی کتابوں کو اصل بنایا اور چوتھی قسم کی کتابوں کو ان کے تابع بنایا۔ اب مجھے ان لوگوں کے طریقۂ علمِ حدیث پر پوری بصیرت حاصل ہوگئی، جو صحیح امام بخاریؒ کو تمام کتب حدیث پر مقدم مانتے ہیں۔ جیسے حافظ ابن حجرؒ وغیرہ، اس بنا پر میں نے شیخ عبدالحق دہلویؒ اور امام شوکانیؒ دونوں کے طریقے پر نقد و جرح کی ہے۔

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری بڑی دست گیری کی کہ میں نے محققین کے طریقۂ فہم فقہ و حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے امام شوکانی کی تصانیف کا مطالعہ کیا، لیکن ان کے مجتہدات میں سے اکثر کے ساتھ میں موافقت نہ کر سکا۔ البتہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ انصاف پسند زیدی عالم ہیں، جو سنت کی تائید کرنا چاہتے ہیں۔

ایسے ہی میں نے ابوالحسنات مولانا عبدالحیٔ بن عبدالحلیم لکھنویؒ کی تصانیف کا بھی مطالعہ کیا اور ان سے بھی میں نے بڑا نفع اُٹھایا۔

www.rahimia.org

فصل(۲): تصنیف وتالیف اورنشر واشاعت

جہاں تک تصنیف وتالیف اور کتابوں کی اشاعت کا معاملہ ہے، تو میں نے درج ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں:

1۔ "تعليق على معانى الآثار للامام الطحاوى" (جس میں امام طحاوی کی کتاب "معانی الآثار" پر حواشی اور تعلیقات لکھی ہیں۔)

2۔ "تعليق على فتح القدير لابن الهمام" (جس میں امام ابن الہمام کی کتاب "فتح القدير" پر حواشی اور تعلیقات لکھیں۔)

3۔ "فتح السلام لابواب بلوغ المرام" (جس میں "بلوغ المرام" کے ایک حصے کی شرح لکھی۔)

4۔ "شرح سفر السعادت" (امام فیروز آبادی کی کتاب "سفر السعادت" کے ایک حصے کی شرح لکھی۔)

5۔ "تخريج مافى الباب للترمذى" (جس میں امام ترمذی کی کتاب "جامع ترمذى" کے "مافى الباب" کی تخریج کے حوالے سے ایک حصے پر کام کیا۔)

6۔ "تخريج احاديث الغنية للشيخ عبدالقادر جيلانى" (جس میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب "غنية الطالبين" کی احادیث کی تخریج کا کام کیا۔)

ان کتابوں کے علاوہ بعض مستقل رسائل بھی تالیف کیے:

7۔ ازالة الشبهه عن فرضية الجمعه.

8۔ تهذيب رفع اليدين للامام البخارى.

9۔ تنسيق احاديث بدء الوحى من الجامع الصحيح.

10۔ (مراصد الوصول الى مقاصد الاصول. یہ کتاب مولاناؒ نے اپنے تعلیمی دور میں لکھی تھی، جس کا تذکرہ پیچھے آچکا ہے۔)

اشاعت کے لیے "محمود المطابع" کا قیام

میں نے کتابوں اور رسائل کی اشاعت کے لیے (محرم ۱۳۱۷ھ/ مئی 1899ء میں) ایک مطبع بھی قائم کیا۔ جس کا نام "محمود المطابع" رکھا۔ جہاں سے سندھی زبان میں ایک ماہنامہ "هداية الاخوان" چھاپنا شروع کیا۔ اور چند کتابیں بھی چھپوائیں، تا کہ عام سندھی مسلمانوں کو اس سے نفع ہو۔ اور خاص اہل علم کے لیے "عقيدة الامام الطحاوى" طبع کرائی۔ اس سے انتظامی اور مالی معاملات میں مجھے بڑے تجربات حاصل ہوئے۔

میں نے فصیح سندھی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ بھی شروع کیا تھا، لیکن پھر ہمارے شیخ ابوالحسن اِمروٹی نے اس عظیم کام کی طرف خود توجہ فرمائی۔ پھر اس کی تصحیح کے کام میں مَیں ان کے معاون کے طور پر کام کرتا رہا۔ چناں چہ

چند سالوں میں یہ ترجمہ مکمل ہو کر طبع ہو گیا۔(9)

تدریس و تربیت

جہاں تک تدریس کا معاملہ ہے، تو مجھ سے اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے کتب حدیث وتفسیر اور اس کے متعلقات کا علم حاصل کیا۔ میرے شاگردوں میں سے بعض ایسے لوگ ہیں جو میرے مشائخ کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔(10) امام ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کو تو میں نے ہمیشہ ہی پڑھایا ہے، جیسے کہ "**فتح الرحمن**"، "**الفوز الکبیر**" وغیرہ۔ ان کتابوں کے درس و تدریس کے دوران میں نے قرآنی آیات کے باہمی ربط پر بڑی توجہ دی۔ اور طویل سورتوں کو بڑی ترتیب کے ساتھ ابواب و فصول میں تقسیم کیا۔ اس طرح اللہ کی توفیق سے یہ ایک منفرد علم مرتب اور مدوّن ہو گیا۔

اسی طرح (شاہ صاحب کی دیگر کتابوں) **حجۃ اللہ البالغہ، مسوّٰی** اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصانیف کے منتخب ابواب و مقالات کا میں نے ہمیشہ درس دیا۔ اور مسلسل سات سال تک میں نے ان تمام اُمور میں بڑی جدوجہد اور غور و فکر و اجتہاد سے کام کیا۔ پس الحمدللہ مجھے مذہبِ حنفی میں طریقۂ ولی اللہی پر اصولی، فروعی اور عملی اعتبار سے پورا پورا اطمینانِ قلب حاصل ہو گیا۔

فصل (۳) امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں پر مکمل اعتماد کے فوائد

میں اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ فقہاء اور علماء کے اختلافات کی وجہ سے جو میرے ذہن میں تشویش پیدا ہو چکی تھی، اس سے میں اس وقت تک باہر نہ نکل سکا، جب تک میں نے امام ولی اللہ دہلویؒ پر ویسا ہی اعتماد نہیں کیا، جیسا کہ حنفی علما، امام ابو یوسف، امام محمد بن الحسن اور امام طحاویؒ پر اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں "**الفوز الکبیر**" اور "**فتح الرحمن**" کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا، اور حدیث و فقہ میں "**حجۃ اللہ البالغہ**" اور "**مسوّٰی**" پر اعتماد کیا۔ اور جہاد و سیاست کے میدان میں مَیں نے "**ازالۃ الخفاء**" کو اپنے سامنے رکھا، اور علم کلام و تصوف وغیرہ دیگر فنون میں حضرت شاہ صاحب کی اِن فنون سے متعلقہ کتابوں پر اعتماد کیا۔

(شاہ ولی اللہؒ کی) ان کتابوں کے مشکل مقامات کو حل کرنے کے لیے میں نے بڑے صبر اور مجاہدے سے کام لیا، اس سلسلے میں سب سے پہلے ولی اللہی سلسلے کے علما کی کتابوں سے مدد حاصل کی۔ پہلے درجے میں امام عبدالعزیز دہلویؒ، پھر شاہ اسماعیلؒ کے طبقے کے علما اور پھر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے طبقے کے علماء کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ دوسرے درجے میں وہ تمام معلومات جو متقدمین و متاخرین اور اہل عصر علماء کی کتابوں سے حاصل ہوئیں، ان سے بھی استفادہ کیا۔

www.rahimia.org

باب(3): تربیت باطنی اور رُشد و ہدایت کے حصول میں

فصل (۱) مشائخ سے تعلق اور ان سے اجازت

اپنے مطالعۂ علوم کے دنوں میں شیخ ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ کے زیرنگرانی ''طریقۂ راشدیہ'' میں سلوک کے حصول میں مشغول رہا۔ ''طریقۂ راشدیہ'' ''سلسلۂ مجددیہ'' اور ''سلسلۂ قادریہ'' کا جامع ہے۔ شیخ رحمہ اللہ نے مجھے کئی بار اس طریقے کا مخصوص لباس پہنایا (اور خلافت عطا کی) اور مجھے اپنے شیخ ابوالحسن تاج محمود امروٹیؒ سے بھی اس طریقے میں تلقین کی اجازت حاصل ہوئی ہے۔ میں نے شیخ الجلیل سید الامام رشیدالدین کی صحبت سے بھی استفادہ کیا۔ یہ بزرگ مسلمانوں کی اجتماعیت کو قائم کرنے اور احیائے دین کی دعوت دینے والے پختہ کار لوگوں میں سے تھے۔ انھوں نے بھی مجھے اپنا سجادہ عنایت فرمایا۔ انھوں نے اشاروں اور کنایوں میں مجھے ایسی خوشخبریاں بھی دیں، جن کا مطلب میں ان کے پورا ہوجانے کے بعد صحیح طور پر سمجھ سکا۔

حضرت شیخ الہندؒ سے نسبت کا حصول اور ان کی اجازت

پھر اس کے کچھ عرصے بعد میرے شیخ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی مجھے کلمۂ توحید کی تلقین فرمائی اور اپنے مشائخ کے سلاسل کا مخصوص اور مبارک لباس مجھے عطا فرمایا۔ اس سے مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ اس طرح میرا تعلق ہندوستان میں دوسرے ہزار سالہ دور کے آئمہ مجددین کے سلسلۂ تجدید کی لڑی سے قائم ہوگیا ہے۔ جیسا کہ امام ولی اللہ دہلویؒ، سلطان محی الدین محمد اورنگ زیب عالم گیرؒ اور امام الربانی شیخ احمد سرہندیؒ اور امام رضی اللہ محمد باقی (باللہ) الدہلویؒ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اسلام میں آنے کے بعد میرے آباؤ اَجداد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور دین و دنیا میں میرے رہبر و رہنما ہیں۔

عمومی فائدے کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ان تمام مشائخ اور بزرگوں کے سلاسل کو الگ الگ فصول میں بیان کیا جائے۔ واللہ الہادی

فصل (۲): حضرت شیخ الہندؒ کے سلسلے کے مشائخ

سلسلۂ اوّل

میں نے صحبت اختیار کی اپنے شیخ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی۔ انھوں نے صحبت اُٹھائی شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ کی اور انھیں سے علوم بھی حاصل کیے۔ انھوں نے صحبت اُٹھائی شیخ الصالح التقی مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کی اور بعض علوم انہی سے حاصل کیے، اور وہ شیخ الصالح التقی مولانا محمد یعقوب دہلوی مکی امام الطائفۃ الدیوبندیہ کی صحبت میں رہے۔ انھوں نے صحبت اختیار کی اپنے بھائی الصدر الحمید مولانا محمد اسحٰق دہلوی مکیؒ کی،

جو الجادة القويمة المحمدية (محمدی اُسوۂ حسنہ کی شاہراہِ فکر وعمل) کو پھیلانے والی ہندوستانی تحریک کے اہم رکن ہیں۔

سلسلۂ دوم

ہمارے شیخ، حضرت شیخ الہندؒ نے دارالعلوم دیوبند کے ارکانِ اربعہ: (۱) شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی دیوبندیؒ (۲) شیخ العلامہ محمد یعقوب دیوبندیؒ (۳) شیخ الصالح التقی مولانا رفیع الدین دیوبندی (۴) شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے صحبت اور استفادہ کیا ہے، اور ان چاروں بزرگوں نے شیخ الاسلام مولانا عبدالغنی دہلوی مدنی امام الطائفۃ الدیوبندیہؒ، اور شیخ الاسلام الامیر امداد اللہ تھانوی مکی امیر الطائفہ الدیوبندیہؒ سے صحبت اور استفادہ کیا، ان دونوں حضرات نے ''الصدر الحمید'' مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ سے استفادہ کیا ہے، جو کہ (جادۂ قویمہ کو پھیلانے والی) ہندوستانی تحریک کے رُکن رَکین ہیں۔

سلسلۂ سوم

ہمارے شیخ حضرت شیخ الہندؒ نے ان پانچ حضرات سے بھی صحبت اُٹھائی ہے: (۱) شیخ الاسلام الامیر امداد اللہ امیر الطائفۃ الدیوبندیہؒ، (۲) شیخ (شاہ) عبدالغنی دہلوی مدنیؒ، (۳) شیخ احمد علی سہارنپوریؒ، (۴) شیخ محمد مظہر نانوتوی سہارنپوریؒ اور (۵) شیخ عبدالرحمٰن پانی پتیؒ۔ یہ سب حضرات دیوبندی جماعت کے اہم رہنماؤں میں سے ہیں۔ ان تمام حضرات نے الصدر الحمید مولانا محمد اسحٰق الدہلویؒ کی صحبت اُٹھائی، جو سراج الہند (شاہ عبدالعزیز الدہلویؒ) کے قائم مقام اور ہندوستان کی تحریک کے رکن رکین ہیں۔

سلسلۂ چہارم

ہمارے شیخ حضرت شیخ الہندؒ نے اس سلسلۂ سند کے بزرگوں سے بھی صحبت اور استفادہ کیا ہے: شیوخ الاسلام: (۱) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، (۲) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، (۳) مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، (۴) مولانا احمد علی سہارنپوریؒ، (۵) مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، (۶) مولانا عبدالرحمٰن پانی پتیؒ، (۷) مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ، یہ ساتوں بزرگ دیوبندی جماعت کے اہم رہنماؤں میں سے ہیں۔ ان تمام نے استاذ الاساتذہ المحقق العلامہ مولانا مملوک العلی نانوتوی دیوبندیؒ امام الطائفۃ الدیوبندیہؒ سے استفادہ کیا اور انھوں نے علامہ محقق مولانا رشید الدین دہلویؒ کی صحبت اُٹھائی، اور انھوں نے الصدر السعید مولانا عبدالحئی دہلویؒ سے استفادہ کیا، جو کہ ہندوستانی تحریک کے ایک رُکن ہیں۔

حضرت گنگوہی کے سلسلے سے تعلق

میں نے صحبت اُٹھائی اپنے شیخ، شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی۔ انھوں نے شیخ الاجل مولانا احمد سعید دہلویؒ سے صحبت اور استفادہ کیا، جنہوں نے ۱۲۷۳ھ (1857ء) میں دہلی میں جنگ آزادی کا علمِ جہاد بلند کیا تھا۔ اور جو

دیوبندی جماعت کے امام ہیں۔ اور انھوں نے العلامہ المحقق رشید الدین دہلویؒ کی صحبت اختیار کی، اور وہ ''الصدر السعید'' مولانا عبدالحیٔ (بڈھانوی ثم) دہلویؒ کی صحبت میں رہے جو ہندوستانی احیائے دین کی تحریک کے اہم رُکن ہیں۔ نیز شیخ احمد سعید دہلویؒ نے مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ سے بھی استفادہ کیا ہے، جو اسی تحریک کے اہم رُکن ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام الامیر امداداللہ امیر الطائفہ الدیوبندیہؒ نے امیر نصیر الدین الدہلوی سے بھی استفادہ کیا ہے، جو کہ بالاکوٹ میں واقعۂ شہادت کے بعد امیر المجاہدین بنے تھے، اور انھوں نے اس ہندوستان کی تحریک کے چاروں ارکان: ''الامیر الشہید'' السید احمد دہلویؒ، ''الصدر السعید'' مولانا عبدالحیٔ دہلویؒ، ''الصدر الشہید'' مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ، ''الصدر الحمید'' مولانا اسحٰق دہلویؒ سے صحبت اور استفادہ کیا تھا۔

نیز شیخ الاسلام الامیر امداداللہ (مہاجر مکی) امیر الطائفۃ الدیوبندیہؒ نے اپنے شیخ، شیخ نور محمد جھنجانویؒ سے صحبت اور استفادہ کیا ہے، اور انھوں نے اپنے شیخ عارف کامل السید عبدالرحیم (ولائتی) شہید بالاکوٹ کی صحبت اختیار کی۔ یہ دیوبندی جماعت کے لیے ارھاص (راستہ ہموار کرنے والے) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور انھوں نے تحریک کے ارکانِ ثلاثہ ''الامیر الشہید''، ''الصدر السعید'' اور ''الصدر الشہید'' کی صحبت اور رفاقت بھی اختیار کی تھی۔

سلسلۂ راشدیہ قادریہ سے تعلق

میں صحبت میں رہا شیخ ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ اور شیخ ابوالحسن تاج محمود امروٹیؒ کی۔ اور اسی طرح میں صحبت میں رہا ان دونوں کے شیخ حضرت سید العارفین الحافظ محمد صدیق سندھیؒ (بھرچونڈی) اور انھوں نے شیخ الاجل سید محمد حسن لاہوری سندھیؒ سے صحبت و استفادہ کیا ہے، اور انھوں نے الامیر السید صبغت اللہ بن الامام محمد راشد سندھیؒ سے صحبت و استفادہ کیا، اور انھوں نے تحریکِ مجاہدین کے ارکانِ ثلاثہ یعنی الامیر الشہید، الصدر السعید اور الصدر الشہید کی صحبت اختیار کی ہے۔ نیز ہمارے شیخ سید العارفین (حافظ محمد صدیق صاحب) نے براہِ راست بھی الامیر الشہید اور الصدر الشہید کی صحبت اُٹھائی ہے۔

ان تمام سلاسل کی آخری کڑی

احیائے دین کی ہندوستانی تحریک کے چاروں ارکان (۱: الامیر الشہید سید احمد شہیدؒ، ۲: الصدر الشہید مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ، ۳: الصدر الحمید مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ، ۴: الصدر السعید مولانا عبدالحیٔ بڈھانویؒ) نے تیرھویں صدی کی ابتداء کے امام اور مجدد، سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی صحبت اُٹھائی ہے، جو **الجادۃ القویمۃ المحمدیۃ** (محمدی فکر و عمل کی سیدھی شاہراہِ فکر و عمل) کو زندہ کرنے کے لیے ولی اللّٰہی طریقے کو رائج کرنے والے ہیں اور انھوں نے اپنے والدِ گرامی الامام المجدد قطب الدین شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم الدہلویؒ کی صحبت اُٹھائی، جو ولی اللّٰہی طریقے کے مؤسس اور بانی ہیں۔

www.rahimia.org

فصل (۳): شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا پہلا سلسلۂ مشائخ

امام ولی اللہ الدہلویؒ نے اپنے والد گرامی شیخ الاجل شاہ عبدالرحیم بن وجیہ الدین الدہلویؒ سے صحبت و استفادہ کیا۔ اور انھوں نے الامیر الاحتساب، الامام المحقق میر زاہد الہروی الاکبر آبادی سے استفادہ کیا ہے، اور انھوں نے امثل سلاطین الہند (ہندوستانی بادشاہوں میں سے مثالی حکمران) سلطانِ مجدد، محی الدین محمد (اورنگ زیب) عالم گیر سے استفادہ کیا ہے، جو کہ اپنے دور میں شریعتِ محمدیہؐ کی قانون سازی کے بانی اور مؤسس ہیں اور ہندوستانی سلطنت کو شریعتِ محمدیہؐ کے قانون کے مطابق منظّم کرنے میں مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

فصل (۴): سلطان عالم گیرؒ کا سلسلۂ مشائخ

امام مجدد سلطان عالم گیرؒ نے شیخ الاجل سیف الدین سرہندیؒ سے صحبت و استفادہ کیا ہے، اور انھوں نے اپنے والد امام محمد معصومؒ (العروۃ الوثقیٰ) سے استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح سلطان عالم گیرؒ نے شاہ محمد یحییٰ بن امام الربانی (مجدد الف ثانیؒ) سے صحبت و استفادہ کیا ہے، اور انھوں نے اپنے دونوں بھائیوں: امام محمد سعیدؒ ''خازن الرحمۃ'' اور امام محمد معصومؒ ''العروۃ الوثقیٰ'' سے صحبت و استفادہ کیا ہے، اور ان دونوں نے اپنے والد گرامی امام الربانی شیخ احمد السرہندی مجدد الف ثانیؒ سے صحبت و استفادہ کیا ہے، جو کہ اُس طریقۂ احمدیہ (مجددیہ) کے بانی ہیں جس کا مقصد فقہ اسلامی کے تناظر میں تصوفِ اسلامی کی اصلاح کرنا اور مصالحِ شریعت کو مصالحِ سلطنت (حکومتی مصالح) پر غالب کرنا تھا۔

امام ولی اللہ دہلویؒ کا دوسرا سلسلۂ مشائخ

امام ولی اللہ الدہلویؒ نے اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے صحبت و استفادہ کیا، اور انھوں نے شیخ عبداللہ بن محمد باقی (باللہ) دہلویؒ سے صحبت اختیار کی، اور وہ امامِ ربانی مجدد الف ثانی کے صحبت یافتہ ہیں۔

شاہ صاحبؒ کا تیسرا سلسلۂ مشائخ

امام ولی اللہ دہلویؒ نے شیخ محمد افضل سیالکوٹیؒ کی صحبت اُٹھائی، اور وہ شیخ عبدالاحد اور شیخ صبغۃ اللہ کی صحبت میں رہے، اول الذکر نے اپنے والد امام محمد سعید سے اور ثانی الذکر نے اپنے والد امام محمد معصوم سے صحبت و رفاقت اختیار کی، اور ان دونوں نے اپنے والد امامِ ربانی سے صحبت و استفادہ کیا۔

فصل (۵): سلسلۂ مجددیہ معصومیہ وسعیدیہ

دارالعلوم دیوبند کے ''صدورِ اربعہ'' یعنی ہمارے شیخ، (۱) شیخ الہند اور شیوخ الاسلام (۲) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، (۳) مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور (۴) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے شیخ الاسلام مولانا عبدالغنی الدہلوی امام الطائفۃ الدیوبندیہ کی صحبت حاصل کی ہے، اور انھوں نے اپنے بھائی امام مولانا احمد سعید دہلویؒ امام الطائفہ الدیوبندیہ

www.rahimia.org

کی صحبت اختیار کی تھی، اور ان دونوں بھائیوں نے اپنے والد محترم شیخ اجل ابوسعید دہلویؒ سے استفادہ کیا ہے، اور انھوں نے شیخ الاسلام عبداللہ دہلویؒ کی صحبت اختیار کی، جو کہ ''طریقۂ احمدیہ مجددیہ'' کو رائج کرنے والے ہیں۔ اور انھوں نے امام شمس الدین محمد مظہر شہید دہلویؒ کی صحبت اختیار کی، جو کہ **قیم الطریقة الاحمدیه المجددیه** (طریقۂ احمدیہ مجددیہ کے قائم کرنے والے) ہیں، اور امام محمد مظہر شہیدؒ نے اپنے درجِ ذیل شیوخِ اربعہ سے استفادہ کیا ہے:

1۔ سید نور محمد بدایوانیؒ، جنہوں نے شیخ سیف الدینؒ اور شیخ محمد محسنؒ کی صحبت اختیار کی، اور ان دونوں نے امام محمد معصومؒ (العروۃ الوثقیٰ) کی صحبت اُٹھائی۔

2۔ شیخ محمد افضل سیالکوٹیؒ، جنہوں نے شیخ عبدالاحد کی صحبت اُٹھائی ہے، اور انھوں نے اپنے والد امام محمد سعید سے استفادہ کیا، اور اسی طرح شیخ محمد افضل (سیالکوٹی) نے شیخ حجۃ اللہ کی صحبت بھی اُٹھائی ہے اور انھوں نے اپنے والد امام محمد معصومؒ (العروۃ الوثقیٰ) سے صحبت اُٹھائی ہے۔

3۔ حافظ سعد اللہ، جنہوں نے شیخ محمد صدیق کی صحبت اختیار کی، اور انھوں نے اپنے والد امام محمد معصوم (العروۃ الوثقیٰ) سے صحبت اُٹھائی۔

4۔ شیخ محمد عابد سنامی، جنہوں نے شیخ عبدالاحد کی صحبت اختیار کی، اور انھوں نے اپنے والد امام محمد سعید کی صحبت اختیار کی۔

اور دونوں حضرات: امام محمد سعیدؒ اور امام محمد معصومؒ (العروۃ الوثقیٰ) نے اپنے والد محترم حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی صحبت اختیار کی۔

فصل(٦): سلسلۂ مجددیہ بنوریہ

میں نے اپنے ولی نعمت حضرت شیخ ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ کی صحبت اُٹھائی ہے، اور انھوں نے شیخ امام سید العارفینؒ (حافظ محمد صدیق) کی صحبت حاصل کی، اور مجھے حضرت شیخ الہندؒ اور شیخ ابوالحسن امروٹیؒ اور سید رُشد اللہ ہندی (پیر جھنڈا) سے مصاحبت حاصل رہی ہے، اور میں نے اپنے شیخ سید العارفین الحافظ محمد صدیق سندھیؒ کی بھی صحبت اُٹھائی ہے، اور انھوں نے شیخ اجل سید محمد حسن سندھیؒ کی صحبت اختیار کی اور انھوں نے امام محمد راشد کی صحبت اختیار کی، جو کہ اُس ''طریقۂ راشدیہ'' کے بانی اور مؤسس ہیں، جو قادریہ اور مجددیہ کا جامع ہے۔

اسی طرح میں نے سید ابوتراب رُشد اللہ بن الامام رشید الدین کی صحبت حاصل کی، انھوں نے اپنے والد امام رشید الدین سندھی ''مجدد الدعوۃ الارشادیہ'' کی صحبت حاصل کی، اور ان سے پہلے میں نے براہِ راست بھی امام رشید الدین سے استفادہ کیا ہے، جو کہ اپنے بھائی سید فضل اللہ شہید کی صحبت میں رہے، اور ان دونوں بھائیوں نے اپنے والد سید محمد یٰسین ''**صاحب العَلَم الاول**'' (پہلے پیر جھنڈا) سے استفادہ اور صحبت اُٹھائی ہے۔ اور انھوں نے

اپنے والد محترم امام راشد سندھیؒ کی صحبت اُٹھائی۔ اور وہ اپنے والد محترم شیخ الاجل محمد بقاء الحسینی لکیاری کی صحبت میں رہے، اور انھوں نے شیخ الاجل محمد اسماعیل بریالوی سندھیؒ سے صحبت اُٹھائی، اور انھوں نے شیخ سعدی لاہوری سے صحبت اُٹھائی، اور انھوں نے شیخ آدم بنوری سے صحبت و استفادہ کیا جو ''طریقۂ حسنیہ'' کے بانی اور مؤسس ہیں۔

اسی طرح امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے والد شیخ اجل شاہ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ سے استفادہ کیا، اور انھوں نے سید عبداللہ القاری سے اور انھوں نے شیخ آدم بنوریؒ سے استفادہ کیا، اور انھوں نے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سے اور انھوں نے امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلویؒ سے استفادہ کیا، جو کہ اسلام کے ہزارۂ اول کے بعد ہندوستان میں تجدید دین کے بانی اور مؤسس ہیں۔

فصل (۷): سلسلۂ حضرت باقی باللہ دہلویؒ

امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے والد محترم شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ سے استفادہ کیا، اور انھوں نے اپنی والدۂ محترمہ، دختر شیخ رفیع الدین دہلویؒ سے اپنے نانا کی وصایا حاصل کی ہیں، اور شیخ عبدالرحیم کی والدہ محترمہ نے اپنے والد شیخ رفیع الدین کی صحبت اُٹھائی جب کہ انھوں نے ان محترمہ کی اولاد کے لیے کچھ وصیتیں بھی فرمائی تھیں۔ اور شیخ رفیع الدین نے اپنے والد شیخ قطب عالم بن بحر مواج امام عبدالعزیز بن حسن دہلویؒ سے استفادہ کیا تھا، اور انھوں نے اپنے والد امام عبدالعزیز بن حسن دہلویؒ اور امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلویؒ سے صحبت اُٹھائی ہے۔

اسی طرح امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے والد محترم حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ سے اور انھوں نے شیخ عبداللہ بن محمد باقی (باللہ) دہلویؒ سے اور انھوں نے شیخ رفیع الدین دہلویؒ اور اسی طرح شیخ اَللہ داد، شیخ حسام الدین اور شیخ تاج الدین سنبھلیؒ سے صحبت اُٹھائی اور ان چاروں حضرات نے امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلویؒ سے استفادہ کیا۔

اسی طرح امام ولی اللہ دہلویؒ نے شیخ تاج الدین قلعی مکی سے، اور انھوں نے امام حسن بن علی عجمی مکی سے اور انھوں نے ابراہیم بن حسین بن سری مکی سے اور انھوں نے عبدالرحمٰن بن عیسیٰ مرشدی مکی سے، اور انھوں نے صبغۃ اللہ بن روح اللہ بروجی مدنی اور انھوں نے تاج الدین سنبھلی مکی سے اور انھوں نے امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلوی سے صحبت و استفادہ کیا ہے۔

فصل (۸): سلسلۂ طاہریہ حقانیہ

امام ولی اللہ دہلویؒ نے شیخ ابوطاہر مدنی شافعی سے اور انھوں نے اپنے والد محترم امام محقق شیخ ابراہیم کردی شافعی سے اور انھوں نے شیخ عبداللہ بن سعداللہ لاہوری مدنی حنفی سے اور انھوں نے محقق عبداللہ لبیب سیالکوٹی سے اور انھوں نے اپنے والد محقق علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی سے استفادہ کیا، جو کہ کتب درسیہ کی تعلیم و تعلّم میں ''طریقۂ سیالکوٹیہ'' کے بانی اور مؤسس ہیں۔

اسی طرح امام ولی اللہ دہلویؒ نے معمّر محمد سعید لاہوری سے اور انھوں نے شیخ محمد اشرف لاہوری سے اور انھوں نے شیخ عبدالحکیم سیالکوٹی سے اور انھوں نے گیارہویں صدی ہجری کے مجدد شیخ الاسلام والمسلمین امامِ حقانی شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے صحبت و استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح امام ولی اللہ دہلویؒ نے تاج الدین قلعی مکی سے اور انھوں نے امام حسن بن علی عجمی مکی سے اور انھوں نے شیخ محمد حسین بن محمد مؤمن خافی سے اور انھوں نے امام حقانی شیخ عبدالحق (محدث) دہلوی سے استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح امام مجدد سلطان (اورنگ زیب) عالم گیر نے شاہ محمد یحییٰ بن امام ربانی سے، اور انھوں نے شیخ الاسلام شیخ عبدالحق (محدث) دہلوی سے استفادہ کیا ہے، جو کہ ''طریقہ حقانیہ'' کے بانی ہیں اور یہ طریقہ ہندوستانی حنفی فقہاء، امراء اور صوفیاء میں حدیثِ نبویؐ کی ترویج و اشاعت کے لیے قائم کیا گیا تھا۔

فصل (۹): سلسلۂ رشیدیہ حقانیہ

میں نے صحبت اُٹھائی اپنے شیخ، شیخ الاسلام رشید احمد گنگوہیؒ کی، انھوں نے صحبت اُٹھائی مفتی عنایت احمد کانپوری کی، جو کہ ولی اللہی عالم تھے، انھوں نے شیخ نورالاسلام رامپوری سے، انھوں نے اپنے والد شیخ سلام اللہ دہلویؒ سے جو کہ مؤطا امام مالکؒ کے شارح اور ولی اللہی عالم تھے، انھوں نے اپنے والد شیخ، شیخ الاسلام دہلویؒ شارحِ صحیح بخاری سے، انھوں نے اپنے والد شیخ فخر الدین دہلویؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ نورالحق دہلویؒ شارحِ صحیح بخاری سے، انھوں نے اپنے والد امام مجدد شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے صحبت اُٹھائی۔

اسی طرح میں نے صحبت اُٹھائی اپنے شیخ، حضرت شیخ الہندؒ سے، انھوں نے شیخ عبدالرحمٰن پانی پتی سے، انھوں نے شیخ حسن علی لکھنویؒ سے جو کہ ولی اللہی عالم تھے، اور انھوں نے شیخ نورالحق بن انوارالحق لکھنوی سے، اور انھوں نے علامہ محقق بحر العلوم عبدالعلی لکھنویؒ سے، انھوں نے اپنے والد امام محقق شیخ نظام الدین لکھنویؒ سے صحبت اُٹھائی، جو کہ کتب درسیہ کی تعلیم کے لیے طریقۂ نظامیہ (درسِ نظامی) کے بانی ہیں۔ اور انھوں نے شیخ غلام نقشبند لکھنویؒ سے، انھوں نے شیخ پیر محمد لکھنویؒ سے، انھوں نے امام محقق شیخ نورالحق دہلویؒ سے، انھوں نے اپنے والد امام عبدالحق (محدث) دہلویؒ بانی ''طریقۂ حقانیہ'' سے صحبت اُٹھائی۔

طریقۂ حقانیہ کی خصوصیات

یہ طریقہ حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے تھا، چنانچہ امیر قنوجی (نواب صدیق حسن) نے اپنی کتاب ''الحطہ'' میں لکھا ہے کہ:

> ''یہ بات یاد رہے کہ جب سے مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا، اُس وقت سے یہاں علم حدیث کا رواج نہیں رہا، یہاں علوم میں عمدہ ترین چیز ''فقہ حنفی'' ہی رہی ہے، یہاں تک کہ ہندوستان پر اللہ نے

احسان کیا، اور یہاں کے بعض حنفی علماء نے علمِ حدیث کی طرف توجہ فرمائی، جیسا کہ شیخ عبدالحق بن سیف الدین ترک دہلویؒ، پھر آپ کے صاحبزادے شیخ نورالحق اس کی طرف متوجہ ہوئے، اور ایسے ہی آپ کے بعض تلامذہ نے اس طرف توجہ فرمائی، اگرچہ ان حضرات کے علم حدیث کے بیان کا انداز فقہائے مقلدین کے طریقے پر تھا، لیکن اس کے باوجود وہ دین میں بہت فائدے سے خالی نہ تھا''۔انتھیٰ (11)

اسی طرح (غلام علی) آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب ''سبحة المرجان'' میں (شیخ عبدالحق حقانی کے تذکرہ) میں لکھا ہے:

''آپ عنفوانِ شباب میں حرمین شریفین تشریف لے گئے .....اور فن حدیث میں کمال حاصل کیا..... پھر وطن لوٹ آئے، اورِ ظاہری اور باطنی دلجمعی کے ساتھ مسلسل 52 سال تک علوم کے پھیلانے میں مشغول رہے، خاص طور پر علم حدیث شریف کو اس طرح فروغ دیا کہ ہندوستان میں گزشتہ اور آنے والے علماء میں سے کسی کو بھی اس طرح توفیق میسر نہ آئی۔ اور انھوں نے علوم میں تصنیف و تالیف کی، خاص طور پر علم حدیث میں بہت سی معتبر کتابیں تصنیف فرمائیں، جن کی طرف علمائے زمانہ نے خصوصی توجہ فرمائی، اور انھیں اپنے عمل کے لیے دستورِ زندگی بنایا''۔(12)

امام ربانی مجدد الفِ ثانی (اپنے مکتوبات کی جلد ثانی کے مکتوب نمبر 29) میں گیارہویں صدی کے مجدد امام عبدالحق دہلویؒ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ زمانہ دین کی اجنبیت کا زمانہ ہے، اس میں آپ کا وجودِ شریف مسلمانوں کے لیے بڑا غنیمت ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر سلامتی نازل فرمائے، اور آپ کو باقی رکھے''۔(13)

فصل(۱۰): طریقۂ حقانیہ قادریہ

حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے تین آئمہ دین کی صحبت اختیار کی ہے، ان میں سے ہر ایک نے دین کے تجدیدی کام کی بنیاد رکھی ہے:

اوّل: زین العابدین، وامام الصادقین، سید نقی تقی، علوی، علی مہدی، جمال الدین، ابوالحسن موسیٰ شہید ملتانی۔

دوم: شیخ علامہ، متقن فہامہ، ولی کبیر، شیخ عبدالوہاب بن ولی اللہ متقی قادری۔

آزاد بلگرامی نے ''سبحة المرجان'' میں لکھا ہے:

''شیخ عبدالحق نے ۹۸۵ھ (1577ء) میں شیخ موسیٰ قادری کی خدمت میں حاضری دی، اور ان سے قادری خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور شیخ موسیٰ شیخ عبدالقادر اُچی (اُچ شریف والے) کی نسل میں سے ہیں، اور وہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں۔ نیز وہ ہندوستان کے مشاہیر اولیائے کرام میں سے ہیں۔ اور جب شیخ عبدالحق (محدث دہلویؒ) مکہ معظّمہ پہنچے، تو شیخ عبدالوہاب متقی تلمیذ شیخ علی متقی کی

صحبت اور شاگردی اختیار کی۔ اور ان سے کتب احادیث نبویہ کی اجازت حاصل کی"۔ انتھیٰ (14)

میں کہتا ہوں کہ ہمارے مشائخ راشدیہ امام عبدالحق دہلویؒ کے ساتھ طریقۂ قادریہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ طریقۂ راشدیہ کی اساسِ اوّل "شعبۂ جیلانیہ" (سلسلۂ قادریہ) ہے، اور (ہندوستان میں) اس سلسلے کا مرکز اور منبع شیخ عبدالقادر ثانی اُچی (اُچ شریف والے) ہیں۔ چناں چہ ہمارے مشائخ کے شیخ محمد بقاء لکیاری نے شیخ عبدالقادر الخامس کی صحبت اُٹھائی تھی، جو کہ شیر گڑھ (پنجاب) کے رہنے والے تھے، اور ان کے آباء و اَجداد کا سلسلۂ صحبت سید حامد قادری تک جاتا ہے، جو کہ شیخ موسیٰ شہید (ملتانی) کے والد ہیں۔

سوم: تیسرے امام جن کی صحبت شیخ عبدالحق (محدث دہلویؒ) نے اُٹھائی ہے، وہ امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلویؒ ہیں۔ شیخ عبداللہ بن محمد باقی دہلویؒ اپنے والدِ محترم کے اصحاب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شیخ الاسلام والمسلمین شیخ عبدالحق قادری نے میرے والدِ محترم سے طریقت اَخذ کی ہے اور آپ کو اپنے شیخ سے بڑا تعلق اور بہت زیادہ محبت تھی"۔ انتھیٰ

فصل (۱۱): مشائخ سے محبت؛ آغوشِ رحمت کا باعث

ان سلاسل کے یہ تمام بزرگ ہمارے مشائخ ہیں، ہم ان سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں، ایسی محبت اور چاہت جیسا کہ اولاد کو اپنے آباء و اجداد سے ہوتی ہے، مگر اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ان کے ہم عصر اہلِ علم یا ان سے پہلے کے بزرگوں پر کوئی نکتہ چینی کرنا چاہتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں ہمارے ان مشائخ کی جماعت کی مثال ایک ایسے گھر کی مانند ہے جو کہ ایک بڑے شہر میں واقع ہو، اور رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لیے بھی ہم عصمت اور معصومیت کے دعوے دار نہیں ہیں، ہاں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ہم نے ان کی سیرت میں کہیں نہیں دیکھا کہ انھوں نے معلوم ہو جانے کے بعد بھی اپنی غلطی پر اصرار کیا ہو۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُمید رکھتے ہیں کہ ان کے اچھے اعمال کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ان کی سیئات کو حسنات میں تبدیل فرمائے اور ہر اُس فرد کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے، جو اِن بزرگوں کے ساتھ اپنے تعلق کو قائم کرنا چاہتا ہے، اللہ بڑے فضل والا ہے۔ واللہ ذوالفضل العظیم۔

(جاری ہے)

www.rahimia.org

حوالہ جات و حواشی

1۔ عکس تحریر، حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ، صفحہ بیک ٹائٹل التمہید، مطبوعہ سندھی اَدبی بورڈ، حیدر آباد، سندھ۔

2۔ لکھنوی، سید، مولانا عبدالحئی، نزہۃ الخواطر، جلد8،ص328، مطبوعہ مکتبہ دارالعرفات، دائرۃ الشیخ علم اللہ رائے بریلی، ہند۔

3۔ اردو خودنوشت ''ایک نومسلم کی انقلابی زندگی کا سادہ خاکہ'' میں مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں: ''بھرچونڈی سے رخصت ہو کر میں اس طالب علم کے ساتھ ریاست بہاول پور کی دیہاتی مسجد میں ابتدائی عربی کتابیں پڑھتا رہا۔ اس نقل و حرکت میں دین پور پہنچا۔ جہاں سید العارفین کے خلیفہ اول مولانا ابوالسراج غلام محمد صاحب رہتے تھے۔ ہدایۃ النحو تک کتابیں میں نے یہیں مولانا عبدالقادر صاحب سے پڑھیں ......شوال ۱۳۰۵ھ (جولائی 1888ء) میں دین پور متصل خان پور سے کوٹلہ رحم شاہ چلا آیا اور مولوی خدا بخش صاحب سے کافیہ پڑھی۔'' (خطبات و مقالات،ص216،مطبوعہ دارالتحقیق والنشر ، لاہور)

4۔ مولانا سندھیؒ اپنی اردو خودنوشت میں لکھتے ہیں: ''حکمت و منطق کی کتابیں جلدی ختم کرنے کے لیے چند ماہ مولانا احمد حسن صاحب کان پوری کے مدرسے میں چلا گیا۔ اور پھر چند ماہ مدرسہ عالیہ رام پور میں رہ کر مولوی ناظر الدین صاحب سے کتابیں پڑھ لیں۔'' (خطبات و مقالات،ص217،مطبوعہ دارالتحقیق والنشر ، لاہور)

5۔ مولانا سندھیؒ نے اردو خودنوشت میں لکھا ہے: ''مولانا سید احمد صاحب دہلوی نے میرے جوابات کی بہت تعریف کی، اور فرمایا: ''اگر اس کو کتابیں ملیں تو شاہ عبدالعزیز ثانی ہوگا۔'' (خطبات و مقالات،ص217،مطبوعہ دارالتحقیق والنشر ، لاہور)

6۔ دہلوی، شاہ ولی اللہؒ، ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا،ص....،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

7۔ مولانا سندھیؒ اپنی اردو خودنوشت میں لکھتے ہیں: ''حدیث کی باقی کتابوں مولوی عبدالکریم صاحب پنجابی دیوبندی سے جلد جلد ختم کر لیں۔ مجھے یاد ہے کہ سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں نے چار چار دن میں پڑھی ہیں اور سراجی دو گھنٹے میں ختم کی۔ مولوی صاحب حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے غیر معروف مگر محقق شاگرد تھے۔'' (خطبات و مقالات، ص218،مطبوعہ دارالتحقیق والنشر ، لاہور)

8۔ مولانا سندھیؒ اپنی اردو خودنوشت میں لکھتے ہیں: ''(مولانا تاج محمود امروٹیؒ نے) میرا نکاح سکھر کے اسلامیہ سکول کے ماسٹر مولوی محمد عظیم خان یوسف زئی کی لڑکی سے کرایا۔ میری والدہ کو بلایا، وہ میرے پاس آخر وقت تک اپنے طرز پر رہیں۔'' (خطبات و مقالات،ص219،مطبوعہ دارالتحقیق والنشر ، لاہور)

9۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ کا تحریر کردہ قرآن حکیم کا یہ سندھی ترجمہ گزشتہ ایک صدی سے مسلسل طبع ہو رہا ہے۔ اور اب تاج کمپنی نے بہت خوب صورتی کے ساتھ اس کی اشاعت جاری رکھی ہوئی ہے۔

10۔ اردو خودنوشت میں مولانا لکھتے ہیں: ''رجب ۱۳۰۸ھ (1891ء) میں حضرت شیخ الہندؒ نے اجازت نامہ تحریر فرما کر بھیج دیا۔ اور مولوی کمال الدین صاحب نے مجھ سے سنن ابی داؤد پڑھی۔'' (خطبات و مقالات،ص219،مطبوعہ دارالتحقیق والنشر ، لاہور)

11۔ قنوجی، نواب، صدیق حسن، بھوپالی، الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ،ص256،طبع دارالجیل ، بیروت۔

12۔ بلگرامی، آزاد، سید، غلام علی، ''سبحۃ المرجان فی آثارِ ہندوستان''،ص52، (انٹرنیٹ ایڈیشن)

13۔ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندیؒ، مکتوباتِ امام ربانی، مکتوب نمبر29،ص94، جلد دوم، طبع ادارہ اسلامیات، لاہور۔

14۔ بلگرامی، آزاد، سید، غلام علی، ''سبحۃ المرجان فی آثارِ ہندوستان''،ص52،53۔ www.al-mustafa.com

تحقیقات

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مجموعۂ مسلسلات

(الفضل المبین، الدر الثمین اور النوادر)

تعارف اور چند متعلقات

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
کاندھلہ، مظفر نگر، یوپی، انڈیا

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف و مؤلفات کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے، خصوصاً اگر ان تصانیف کو موضوعات کے لحاظ سے علاحدہ علاحدہ کر کے ہر ایک موضوع و مبحث کی مؤلفات و کتب شمار کی جائیں تو بنیادی موضوعات (قرآن مجید، حدیث، فقہ اور اسرارِ علومِ شریعت) میں سے ہر ایک موضوع پر مرکزی تالیفات تین چار سے زیادہ نہیں ہیں، ضمنی عنوانات کو شامل کر کے بعض موضوعات کی تصنیفات کی تعداد آٹھ سے بارہ چودہ تک پہنچ جاتی ہے، حدیث شریف کے اہم اور کلیدی موضوع کو بھی اسی فہرست میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ حدیث شریف کے موضوع پر حضرت شاہ صاحبؒ کی جملہ تصنیفات و رسائل کی تعداد تیرہ چودہ سے متجاوز نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعض موضوعات کی تحریروں میں حدیث شریف کے بعض جزوی یا کلی مباحث شامل ہوں، اس بحث یا اس تالیف کے مشترکہ مضمون کی وجہ سے اس تالیف کو حدیث شریف کے مؤلفات میں بھی گن لیا جائے۔

بہر حال حدیث شریف کے موضوع پر حضرت شاہ صاحبؒ کے مصنفات و رسائل میں سے تین رسائل ایسے بھی ہیں کہ اگر چہ ان کے ذریعے سے علم حدیث کے مباحث میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، مشکلاتِ حدیث کے حل میں بھی ان سے کوئی قابل ذکر مدد نہیں ملتی اور اصولِ دین وشریعت پر ان مجموعوں کی احادیث بحیثیت مجموعی اثر انداز بھی نہیں ہیں، لیکن شاہ صاحبؒ کی حدیث شریف کے موضوع کی تصانیف میں ہمیشہ غالباً سب سے زیادہ ان ہی کی اشاعت ہوئی، مدارس کے درس کے حلقوں میں ان ہی کا چرچا و تذکرہ رہا۔ تقریباً سوا سو سال سے برصغیر ہند کے بیسیوں مدارس اور متعدد بڑے علما اور اساتذۂ حدیث کے یہاں، ان کے درس اور ان کی اجازت و روایت کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر سال حدیث شریف کی بنیادی کتابیں پڑھنے والے طلبہ اپنے استاذوں سے اور بڑے علماء کی محفلوں میں

حاضر ہو کر ان کی سماعت کرتے ہیں اور اجازت و سند حاصل کرتے ہیں اور ان رسائل کے توسط سے حضرت شاہ صاحبؒ سے انتساب کو اپنے لیے ایک سعادت و اعزاز خیال فرماتے ہیں۔ میری مراد حضرت شاہ صاحبؒ کے رسائل کے اس مجموعے سے ہے، جس کو اہل مدارس کی دنیا میں **مسلسلات** کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ مجموعہ مسلسلات کیا ہے؟ حضرت مصنف نے اس میں کیا کچھ جمع اور پیش فرمایا ہے، اس کا سلسلۂ اجازت و سند کس طرح سے ہے؟ اس مجموعۂ مسلسلات کی علمی فنی حیثیت کیا ہے؟ علمائے محققین اور محدثین مسلسلات کے مجموعوں کو کس نظر سے دیکھتے ہیں، اس کتاب کے مشتملات کیا کیا ہیں، اس کے کون کون سے معتبر نسخے دریافت ہیں، راقم اسی کا کچھ تذکرہ کرنا چاہتا ہے، مگر اس تذکرے سے پہلے یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ فن حدیث میں مسلسلات کا یا حدیث مسلسل کا کیا درجہ ہے، اس کی تعریف اور سلسلہ کیا ہے، محدثین کے یہاں اس کا کیا مقام و مرتبہ ہے اور مسلسلات کے قدیم مجموعوں میں کن پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ غالباً اس تذکرہ و تعارف کے بغیر شاہ صاحب کی مسلسلات کا تعارف بہ ظاہر نا تمام رہے گا۔

مسلسلات کی حقیقت

اصطلاحِ محدثین میں مسلسلات سلسلۂ احادیث کی ایسی روایات کو کہا جاتا ہے، جس میں اس روایت کے راویوں نے اس روایت یا مجموعۂ روایات کی نقل و اجازت کے ساتھ کسی خاص مناسبت کا اہتمام کیا ہو اور وہ سلسلہ اور مناسبت قدیم راویوں سے اس کے آخری راوی یا عصر حاضر تک اسی مناسبت اور اہتمام کے ساتھ نقل ہو رہی ہو، اس مناسبت و اہتمام کی دو چار دس نہیں پچاسوں یا اس سے بھی زائد قسمیں ہیں، جن میں فنی اعتبار سے **"المسلسل بقرأة سورة الصف"** متن و سند کے لحاظ سے سب سے بہتر اور معتمد ہے اور **"المسلسل بالاوّلية"** کا سب سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

قدیم دور سے درسِ حدیث دینے والے اکثر علما کا معمول رہا ہے کہ وہ اپنے طالب علموں کے ساتھ درسِ حدیث کی ابتداء کے وقت ہر ایک حدیث اور اجازت و سند سے پہلے **"المسلسل بالاوّلية"** پڑھتے ہیں اور عموماً وہ حدیث اور روایت ہوتی ہے جو انھوں نے اپنے استادِ حدیث یا کسی اور عالم یا محدث کے سامنے تعلیم و اجازت حدیث کا آغاز کرتے ہوئے پڑھی تھی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"الراحمون يرحمهم الرحمن، ارحموا من فى الارض يرحمكم من فى السمآء".

(رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے، جو زمین میں ہیں ان پر رحم کرو، تم پر آسمان والا رحم کرے گا)

اس کے علاوہ بھی مسلسلات کی ایک طویل قطار ہے، جس میں کچھ قرآن کریم کی بعض سورتوں یا آیتوں کے

www.rahimia.org

ساتھ مختص ہیں، مثلاً "المسلسل بقرأة سورة الصف" یعنی جس راوی نے یہ حدیث اپنے استاد کے سامنے پڑھی، انھوں نے پہلے سورۂ صف پڑھی پھر اس روایت کی اجازت عطا فرمائی، اس کی سند و اجازت کا سلسلہ سورۂ صف کی قرأة کے ساتھ اسی طرح آخر تک چلا گیا ہے۔ مسلسل بقرأة سورة الصف مسلسلات کی دنیا میں صحیح ترین روایت ہے، اس کی صحت پر علما کا تقریباً اتفاق ہے۔(1) اسی نہج پر "المسلسل بقرأة آية الكرسي، المسلسل بقرأة انا اعطيناك الكوثر" وغیرہ ہیں مگر ان کی سندیں اس درجہ کی نہیں ہیں۔

مسلسلات کی ایک قسم وہ ہے کہ جس میں راویان نے روایت میں کسی اور خاص لفظ یا عبارت کا التزام فرمایا ہے، مثلاً: "انی احبک فقل" یا "فی العزلة سلامة" یا "اشهد بالله" یا "والله اخبرنا والله حدثنا" یا "كتبه وهو هذا في حبيبي". مسلسلات کا ایک اور سلسلہ وہ ہے جس کا کسی فعل پر مدار ہو، جیسے "المسلسل بوضع اليد على الرأس" یا "المسلسل بالمصافحة" یا "المسلسل بقبض اللحية" یا "المسلسل باخذ السبابة" یا المسلسل بالمشابكة"۔

مسلسلات کی ایک اور قسم وہ ہے جس کی قرأة و اجازت میں کسی خاص دن کا اہتمام کیا جاتا ہے، جیسے "المسلسل بيوم العيد" یا "المسلسل بيوم العاشورا" یا اس کی اجازت وسند میں کسی خاص جگہ کے علما یا محدثین کی واضح اکثریت کا اہتمام ہو، جیسے "المسلسل بالمكيّين" (مکہ والوں کے تسلسل کی روایت)، المسلسل بالمشارقة" (مشرق والوں کے تسلسل کی روایت)، المسلسل بالمغاربة" (مغرب والوں کے تسلسل کی روایت)۔

یا اس کی اجازت دینے والے اکثر مشائخ کرام میں کسی اور طرح کی یکسانیت کا معمول اور التزام ہو، مثلاً ان سب کے نام محمد سے یا احمد سے یا علی سے یا حسن سے یا کسی اور حرف سے شروع ہوتے ہوں۔ جیسے "المسلسل باحمدين"، "المسلسل بحرف العين في اول اسم كل راوٍ"، یا اس روایت کی سند میں کسی خاص علمی لیاقت ومرتبے کا خیال کیا گیا ہو، جیسے "المسلسل بالحفاظ المحدثين" یا "المسلسل بالفقهاء الحنفية" یا "المسلسل بالفقهاء الشافعية"، وغیرہ یا "المسلسل بالقرّاء" یا "المسلسل بالشعراء" یا "المسلسل بالاشاعرة" ۔ بہرحال یہ ایک لمبی فہرست ہے، جس میں مختلف اور آئمہ محدثین نے قسم قسم کی خاص سندوں اور ترتیبات کا اہتمام کیا ہے۔(2) یہ قسمیں حضرات علمائے محدثین کے ارشادات کے مطابق حدِشمار سے زائد ہیں، علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

التسلسل من نعوت الاسانيد، وهو عبارة عن تتابع رجال الاسناد و تواردهم فيه، واحداً بعد واحد على صفة او حالة واحدة، و ينقسم ذالک الى مايكون صفة للرواية والتحمل والى مايكون للرواة او حالة لهم. ثم ان صفاتهم في ذالک واحوالهم اقوالاً و

افعالاً و نحو ذالک تنقسم الی مالانحصیه. (3 ا)

"تسلسل اَسانید کی صفات میں سے ہے، اور وہ کسی سلسلۂ سند کے افراد میں پے در پے اور یکے بعد دیگرے کسی ایک صفت یا حالت کا موجود ہونا ہے اور پھر روایت کی کسی ایک صفت یا روایت کے حصول کی ہیئت، یا راویوں کی کیفیت و حالات پر ہونے کی بنا پر اس کی مزید تقسیم ہوجاتی ہے، پھر ان کی یہ صفات و احوال، اقوال و افعال کے اعتبار سے اتنی زیادہ قسمیں بن جاتی ہیں کہ شمار سے باہر ہیں۔"

اور اس اہتمام و روایت کا یہ سلسلہ کچھ نیا یا آج کا نہیں ہے، علما نے فرمایا ہے کہ صحیح بخاری میں بھی ایک مسلسل روایت موجود ہے۔ (3ب) اصولِ حدیث کی قدیم کتابوں میں جہاں متن حدیث کی کتابوں کی مختلف نوعیّتوں سے تقسیم کی گئی ہے، اس میں مسلسلات بھی شامل ہیں، امام حاکم نے **معرفت علوم الحدیث** میں مسلسلات کو متن حدیث کی دسویں قسم شمار کیا ہے۔ (4)

مسلسلات کی تاریخی حیثیت

مسلسلات کے موضوع پر تقریباً چوتھی صدی ہجری سے باقاعدہ تصانیف اور اجازت کا ایک متواتر سلسلہ چلا آرہا ہے، علامہ سخاوی نے "**فتح المغیث**" میں مسلسلات کے موضوع پر جن تصانیف و مؤلفات کا تذکرہ فرمایا ہے، ان میں قدیم ترین تالیف محدثِ بغداد شیخ ابوبکر احمد بن ابراہیم بن شاذان (وفات ۳۸۶ھ) کی ہے، (5) اس وقت سے ہر دور کے علمائے حدیث نے مسلسلات پر توجہ فرمائی ہے۔ تاہم اس موضوع کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے، قیاساً مسلسلات کی جملہ مؤلفات دوسو کے قریب ہوں گی۔

جو مسلسلات موجود و معلوم ہیں، ان میں جامع ترین مجموعۂ مسلسلات علامہ ابن الطیب مشرقی کا مؤلفہ ہے، جس میں علامہ عبدالحیٔ کتانی کی اطلاع کے مطابق تین سو مسلسلات شامل ہیں، (6) اس موضوع کی بڑی تالیفات میں علامہ محدث شیخ محمد عابد سندھی کی "**حصـر الشـارد مـن اسـانیـد محمد عـابد**" اور شیخ قاوقجی کی کتاب **مسلسلات** اپنی جامعیت و وسعت میں بے نظیر ہیں۔ (7)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اساتذۂ حدیث میں سے علامہ شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی کی بھی اس موضوع پر تصانیف ہیں، جو شائع نہیں ہوئیں۔ (8) حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اساتذہ کے تلامذہ یا شاہ صاحبؒ کے شاگردوں اور ان کے سلسلہ سے وابستہ علماء کے فیض یافتہ بلند پایہ محدثین میں سے علامہ شیخ محمد عابد سندھیؒ کی بے نظیر کتاب "**حصر الشارد من اسانید محمد عابد**" (9) حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنیؒ کی ایک تالیف جس پر نام درج نہیں (10) نیز شاہ عبدالغنی مجددی کے ایک شاگرد شیخ عبدالستار دہلوی مکیؒ کی اہم تالیف "**الـمـورد الهـنـی فی اسـانیـد شیـخ عبدالغنی**" (11) اس موضوع کی معلومات کا مخزن ہیں، جو حضرت شاہ ولی اللہ اور اس سلسلہ کے

دیگر علما کی اجازت وسند کی مطابقت وتصحیح کے لیے مرجع اور سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مجموعۂ مسلسلات

جب حضرت شاہ ولی اللہؒ ۱۱۴۳ھ (1731ء) میں حجاز پہنچے (12) اوران کو حضرت شیخ ابوطاہر کردی مدنی کی صحبت اور تلمذ نصیب ہوا اور مکہ اور مدینہ منورہ میں دنیائے اسلام کے ممتاز ترین علما سے استفادہ کا موقع ملا، اس وقت وہاں کی علمی محفلیں مسلسلات کے تذکروں سے معمور تھیں اور متعدد علما کے واسطے سے مسلسلات کی روایت واجازت کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ جیسی نابغۂ زماں شخصیت (جس نے صدیوں کا سفر برسوں میں اور برسوں کی منزل لمحوں میں طے کی ہو) اس سرچشمۂ فیض سے کیسے غافل رہ سکتی تھی، اس لیے جب حضرت شاہ صاحبؒ نے علامہ شیخ ابوطاہر کردی سے صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث اور مختلف سلسلوں میں استفادہ کیا اوران کی اجازت حاصل کیں، اس وقت مسلسلات کی سندوں کے لیے بھی پورا فائدہ اُٹھایا، بہت سی مسلسلات کی اجازت لی اور بعض اجازتوں سے سلسلوں کو مکمل کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کو حضرت شیخ ابوطاہرؒ کے علاوہ اور بھی بعض علما سے مسلسلات وغیرہ کی اجازت حاصل تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مسلسلات کی اپنی اکثر مرویات اپنے تین رسائل میں جمع فرمادی ہیں، جو یہ ہیں:

١. الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین صلی الله علیه وسلم.

٢. الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین صلی الله علیه وسلم .

٣. النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر صلی الله علیه وسلم.

ان تینوں کے مجموعہ کو مسلسلات کہا جاتا ہے مگر ان میں سے صرف دو رسائل **الفضل المبین** اور **النوادر** میں ہی ایسی روایات ہیں، جن کے لیے مسلسلات کا اطلاق درست ہے۔ **الدر الثمین** میں ایسی کوئی روایت وسند موجود نہیں، جس کو کسی پہلو سے مسلسلات میں شمار کیا جاسکے۔ یہ تینوں مختصر رسالے ہیں، **الفضل المبین** کے قدیم مطبوعہ نسخے درمیانے سائز کے ترپن (53) صفحات پر، **النوادر** بیس صفحات پر اور درمیان کا رسالہ **الدر الثمین** صرف بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔

الفضل المبین میں (اور یہی اصل مسلسلات ہے) کل پینتیس مسلسلات ہیں، جس میں پچیس شیخ ابوطاہر کی سند واجازت سے ہیں، باقی دوسرے علما یا اساتذہ سے اخذ کی گئی ہیں، تفصیل یہ ہے:

شیخ سید عمر بن بنت الشیخ

١. المسلسل بالاولیة، ص:٨ **٢. المسلسل بحرف العین، ص٤٥**

شیخ تاج الدین قلعیؒ

۱. المسلسل بالفقهاء الحنفية، ص:۱۶، ۲. المسلسل بالفقهاء الحنفية، ص:۱۷

۳. المسلسل بالمكيين، ص: ۳۱

شیخ محمد وفد اللہ مکیؒ

۱. المسلسل بالفقهاء المالكية، ص:۱۷ ۲. المسلسل بالمغاربة، ص:۳۳

۳. المسلسل بالمغاربة، ص:۳۴ ۴. المسلسل بالمحدثين، ص:۴۲

شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردیؒ

۱. المسلسل بقرأة سورة الصف، ص: ۱۱، ۲. المسلسل بالمصافحة، ص:۱۲

۳. المسلسل بأنا احبک، ص ۱۱ ۴. المسلسل بالحفاظ، ص:۱۴

۵. المسلسل بالفقهاء الشافعية، ص:۱۸، ۶. المسلسل بالحنابلة، ص:۲۰

۷. المسلسل بالاشاعرة، ص:۲۱ ۸. المسلسل بالصوفية، ص ۲۲

۹. المسلسل بالصوفية، ص ۲۳ ۱۰. المسلسل بالصوفية، ص ۲۵

۱۱. المسلسل بالصوفية، ص ۲۹ ۱۲. المسلسل بالصوفية، ص:۳۲

۱۳. المسلسل بالمشارقة، ص ۳۲ ۱۴. المسلسل بائمة اهل البيت، ص ۳۵

۱۵. المسلسل بالاباء، ص ۳۸ ۱۶. المسلسل بالاشراف، ص: ۴۱

۱۷. المسلسل بالحسن، ص ۴۵ ۱۸. المسلسل بالله العظيم فى اكثره، ص:۴۷

۱۹. المسلسل بالقرأة، ص: ۴۹ ۲۰. المسلسل بالشعراء، ص: ۵۱

۲۱. المسلسل بالاحمديين، ص: ۵۲ ۲۲. المسلسل بيوم العيد، ص: ۵۲

۲۳. المسلسل بنسبة كل راوٍ، ص:۵۳ ۲۴. اربعون حديثاً، ص:۵۱۴

۲۵-۲۶. اثران مسلسلان بتسعة آباء، ص: ۴۰

(صفحات کے حوالے نسخہ مطبوعہ یحیوی، سہارنپور: ۱۳۹۰ھ کے ہیں)

الفضل المبین میں مسلسلات کے تقریباً تمام مجموعوں کی ترتیب اور معمول کے مطابق پہلی اجازت وسند المسلسل بالاولية کی ہے، جو شیخ عمر ابن بنت الشیخ کی سند سے ہے، دوسری مسلسل بقرأة سورة الصف ہے جو شیخ ابوطاہر سے منقول ہے۔اس کے بعد یہ سلسلۂ مسلسلات مختلف روایتوں سندوں سے گزرتا ہوا آخر تک چلا جاتا ہے۔اسی سلسلۂ روایت کے درمیان میں ایک مسلسل "اربعون حديثاً مسلسلة بالاشراف فى غالبه" کی

www.rahimia.org

بھی ہے، یہ وہ چالیس احادیث ہیں جو اربعین یا چہل حدیث حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نام سے بہت مشہور ہیں۔ اس مجموعہ کو عموماً حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک مستقل تالیف شمار کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ یہ علیحدہ تالیف نہیں بلکہ اسی مسلسلات کا ایک حصہ ہے۔(13)

شاہ ولی اللہؒ کی مسلسلات کا سن تالیف

الفضل المبین اور **النوادر** حضرت شاہ صاحب نے کب مرتب فرمائیں، مجھے اس کی کوئی شہادت بلکہ قرینہ بھی نہیں ملا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب کی تالیف "**اتحاف النبیہ فیما یحتاج الیہ المحدث والفقیہ**" کے مطبوعہ نسخہ میں درج اس کتاب کے اختتام کی تاریخ ۲۶/ جمادی الاول ۱۱۴۳ھ (جولائی 1740ء) سے یہ خیال یا شبہ ہوسکتا ہے کہ "**الدر الثمین**" اور رسالہ "**النوادر**" اتحاف کی تکمیل سے پہلے مرتب ہو گئے ہوں گے یا ان کا ابتدائی مسودہ وجود میں آ گیا ہوگا مگر یہ خیال بوجوہ صحیح نہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ اتحاف کے اختتام پر درج اس کے سنہ تالیف میں تصحیف یا غلطی ہوئی ہے، غالب گمان یہ ہے کہ اصل نسخہ سے نقل کرنے والے کو سہو ہوا۔ اس خیال کا قرینہ یہ ہے کہ "**اتحاف النبیہ، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ**" کی قسم ثانی وثالث (باب دوم، سوم) ہے۔ یہ دونوں باب، بابِ اول کی تکمیل کے بعد ہی مرتب ہوئے ہوں گے اور ان کے باب اول یعنی انتباہ کے متعلق حضرت شاہ صاحب نے ایک خط میں صاف صاف لکھا ہے کہ:

"چوں کشاکش مسوی درمیان است، فرصت تالیف انتباہ وغیرہ نمی شود"۔

(چوں کہ مسوی کی تالیف کا قصہ بیچ میں پڑا ہے، اس لیے انتباہ وغیرہ کی تالیف کا موقع نہیں ہوا)

اور اس میں کچھ بھی شک وشبہ نہیں کہ یہ اطلاع اواخر ذی الحجہ ۱۱۶۳ھ کی ہے، کیوں کہ شاہ صاحب نے اسی خط میں اپنے فرزند (شاہ) رفیع الدین کے تولد کی اطلاع بھی دی ہے:

"یوم الثلاثاء تاسع عشر ذی الحجہ، وقت ضحوۃ الکبریٰ فرزندے عطا فرمود"۔(14)

(اللہ تعالیٰ نے دوشنبہ کے دن ۱۹/ ذی الحجہ کو صبح صادق کے وقت ایک بیٹا عطا فرمایا ہے)

اور تحریر ہے:

"نام مولود رفیع الدین باشد" (15) (نومولود بچے کا نام رفیع الدین ہوگا)

نیز لکھا ہے:

"رفیع الدین عبدالوہاب نام ایں مقرر کردہ شود"۔(16)

(اس کا نام رفیع الدین عبدالوہاب رکھ دیا جائے گا)

اور یہ طے ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدین کی ۱۱۶۳ھ میں ولادت ہوئی تھی، مکمل تاریخ ولادت ۱۹/ ذی الحجہ

www.rahmia.org

۱۱۶۳ھ (19 نومبر 1750ء) ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی ان تصریحات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ شاہ رفیع الدین کی ولادت یعنی اواخر۱۱۶۳ھ تک **الانتباہ** بھی مکمل نہیں ہوئی تھی، بعد کے ابواب تو اس کے بعد ہی وجود میں آئے ہوں گے۔ لہٰذا **اتحاف** میں ان رسائل کے ضمنی تذکرہ سے ان رسائل کے سنہ تالیف کے تعین میں کچھ مدد نہیں ملتی۔ اس خیال کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ "**اتحاف النبیہ**" کا پیش نظر نسخہ جن مطبوعہ نسخوں پر مبنی ہے، یہ سنہ تصنیف ان میں سے ایک ہی نسخہ میں موجود ہے۔ ایک اور نسخہ جو شاہ محمد اسماعیلؒ کے فرزند، شاہ محمد عمر کا مملوکہ ہے اور اس پر نقل نسخۂ مصنف کی صراحت بھی ہے اور "**اتحاف النبیہ**" کے اسی مطبوعہ نسخے میں اس کے آخری صفحہ کا عکس بھی شامل ہے۔ اس میں سنہ تالیف کا کچھ تذکرہ نہیں۔ (17) لہٰذا **اتحاف** کا یہ سنہ تالیف نا قابل اطمینان اور غالباً جعلی ہے۔ تاہم شاہ صاحب کی نوشتہ بعض سندوں اور اجازت میں دونوں کا تذکرہ ہے۔

یہ دونوں جب بھی مرتب ہوئی ہوں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کو غالباً کسی وقتی ضرورت سے یا کسی شاگرد کی یادداشت کے لیے عجلت میں اور سرسری طور پر قلم بند کیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان تینوں میں کوئی ترتیب موجود نہیں، نہ موضوعات میں ترتیب ہے نہ اساتذہ کی روایات میں، جو روایتیں جہاں یاد آئیں ان کا وہیں کسی خاص رعایت کے بغیر اندراج فرما دیا اور مسلسلات کے سلسلے کی متعدد بلکہ شاید تقریباً ایک تہائی مسلسلات حضرت شاہ صاحب نے **الفضل المبین** (مسلسلات) میں درج ہی نہیں فرمائیں۔ اس خیال کی بھی متعدد شہادتوں اور روایتوں سے تائید ہو رہی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی ایک تالیف "**اتحاف النبیہ فیما یحتاج الیہ المحدث و الفقیہ**" میں شیخ ابوطاہر کی سند سے چھ مسلسلات ذکر فرمائی ہیں، جس میں سے پانچ **الفضل المبین** میں بھی درج ہیں مگر وہاں ان کی ترتیب **اتحاف النبیہ** کی ترتیب کے مطابق نہیں۔ **اتحاف النبیہ** کی روایات پر نمبر شمار موجود نہیں، ان کی ترتیب کا **اتحاف النبیہ** اور **مسلسلات** کے درج ذیل صفحات کے تسلسل سے علم ہوگا۔

۱۔ **المسلسل بالاولیة**، از شیخ عمر ابن بنت الشیخ، اتحاف، ص:۷۹، ص:۸۔

۲۔ **المسلسل بقرأة سورة الصف**، از شیخ ابوطاہر مدنی، اتحاف، ص:۸۱، ص:۱۰۔

۳۔ **المسلسل بالفقهاء الشافعية**، از شیخ ابوطاہر مدنی، اتحاف، ص:۸۳، (مسلسلات میں موجود نہیں)

۴۔ **المسلسل بالمصافحة**، از شیخ ابوطاہر مدنی، اتحاف، ص:۸۴، ص:۱۲۔

۵۔ **المسلسل بقول انا احبک**، از شیخ ابوطاہر مدنی، اتحاف، ص:۸۵، ص:۱۱،۱۲۔

۶۔ **المسلسل بالصوفية**، از شیخ ابوطاہر مدنی، اتحاف، ص:۸۷، ص:۲۵۔

(مسلسلات یَحیَوی، سہارنپور: ۱۳۹۰ھ)

اوران میں سے ایک روایت جو الفضل المبین میں شامل ہی نہیں، مسلسل بالفقهاء کی ہے، اس کی سند و روایت اس طرح ہے:

واما الحديث المسلسل بالفقهاء، فاخبرنی ابوطاهر و كان قلد افتاء الشافعية بالمدينة مدة، ثم استعفى زهداً منه. ولم يزل يرد عليه الاسولة من الافاق فيفتى لله. انه قرأ على احمد النخلى و كان متقنا لفقه الشافعى، بسماعه على البابلى وحافظته فى الفقه اشهر من نار على علم عن الفقيه العلامة ابى النجا سالم بن محمد السنهورى المالكى الخ... (18)

''وہ حدیث جو فقہا کے تسلسل سے مجھ تک پہنچی اس کی خبر مجھے ابوطاہر (مدنی) نے دی، شیخ ابوطاہر مدینہ منورہ میں شافعیہ کے مفتی کے منصب پر ایک طویل مدت تک فائز رہے، پھر زہد و تقویٰ کی وجہ سے اس سے استعفیٰ دے دیا، لیکن اس کے باوجود دنیا بھر سے ان کے پاس سوالات آتے تھے، اور وہ ان کے جوابات لوجہ اللہ دیتے تھے، انھوں نے شیخ احمد النخلی کے سامنے یہ روایت پڑھی، اور وہ بھی فقہ شافعی کے بہت بڑے ماہر تھے، اور انھوں نے امام بابلی کے پاس اس حدیث کی سماعت کی، جو فقہ میں بہت مشہور تھے، اور انھوں نے علامہ ابوالنجاح سالم بن محمد سنہوری مالکی سے اسے روایت کیا۔''

نیز حضرت شاہ صاحب نے مسلسلات میں المسلسل بالاولیة کا صرف شیخ عمر ابن بنت الشیخ کی سند سے ذکر کیا ہے۔ حالاں کہ شاہ صاحب نے اپنی اور کتابوں میں صراحت کی ہے کہ ان کو شیخ ابوطاہر اور شیخ تاج الدین قلعی سے بھی مسلسلات کی اجازت ہے۔ شیخ ابوطاہر نے بھی حضرت شاہ صاحب کی سند میں ارقام فرمایا ہے کہ شاہ صاحب کو میری طرف سے مسلسل بالاولیة کی بھی اجازت ہے۔ انھوں نے مجھ سے سب سے پہلے یہی روایت سنی تھی:

سمع منی الحديث المسلسل بالاولية وهو اول حديث سمعه منی. (19)

نیز شیخ محمد طاہر کردی کے حضرت شاہ صاحب کے نام گرامی نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کردی کی مسلسلات کا بڑا مجموعہ تھا جس میں ایک روایت ''المسلسل بالحفاظ'' کا جو اس مجموعہ کی روایت نمبر الخامس والاربعون (۴۵) تھی۔ ایک حوالے کے لیے بطورِ خاص تذکرہ ہے جب کہ حضرت شاہ صاحب کی مسلسلات (الفضل المبین) میں شیخ ابوطاہر کے حوالے سے صرف پچیس روایتیں درج ہیں۔

شیخ ابوطاہر کی سند سے چند اور روایتیں الدر الثمین اور النوادر میں بھی ہیں۔ الدر الثمین میں صرف نو (۹) اور النوادر میں ستائیس (۲۷) یعنی تینوں رسائل میں شیخ ابوطاہر کی سند سے کل اکسٹھ (۶۱) روایتیں ہیں۔ مگر آخری دونوں مؤلفات کو حضرت شاہ صاحب مسلسلات میں شمار نہیں فرماتے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے مجموعۂ مسلسلات میں شاہ صاحب کو پہنچی مسلسلات کا تقریباً نصف حصہ ہی شامل ہے کیوں کہ شاہ

صاحب نے ایک سے زائد موقعوں پر اس کی صراحت کی ہے کہ ان کو شیخ ابوطاہر کی کل مرویات ومسموعات کی اجازت ہے۔شاہ صاحب نے لکھا ہے:

''وایشاں (شیخ ابوطاہر) اجازت روایت آں کتب بل جمیع مرویات خود دانند''۔(20)

''اور شیخ ابوطاہر نے اپنی تمام کتابوں بلکہ تمام روایات کی روایت کرنے کی مجھے اجازت دی ہے۔''

اور حضرت شیخ ابراہیم نے شاہ صاحب کے لیے اپنے اجازت نامے میں بھی صراحت فرمائی ہے کہ:

اجزت ...... بما یجوز لی و عنی روایته من مقرو مسموع و اصول و فروع و حدیث و قدیم و محفوظ و رقیم. (21)

اس کے بعد یہ بھی تحریر فرمایا ہے:

ولاقول کما یقول غیری، اذا اجاز من قولهم، بشروط المعتبرة عند اهلها المذکورة فی محلها لعلمی ان الشروط فیه متوفرة والقو اعد بفضل الله عنده متقررة، فلیرو عنی ماشاء لمن شاء. (22)

''اور میں یہ نہیں کہتا (اور لکھتا) جیسے کہ اور علماء اجازتِ حدیث کے وقت تحریر فرمایا کرتے ہیں کہ ہماری اجازت علمائے حدیث سے مروی معتبر شروط پائے جانے پر ہے، جو اپنی جگہ پر درج ہوتی ہیں، کیوں کہ میری معلومات کے مطابق (علمائے محدثین کی ارشاد کی ہوئی) جملہ شرائط شاہ ولی اللہؒ میں وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں اور اس کے اصول وضوابط ان (شاہ صاحب) کے یہاں محفوظ ومنضبط ہیں تو یہ مجھ سے جو چاہیں اور جس سے چاہیں روایت کریں''۔

مندرجہ بالا روایتیں **الفضل المبین** میں کس وجہ سے شامل نہیں کی گئیں۔کہنا مشکل ہے، ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے **الفضل المبین** کی تحریر کے وقت جن کتابوں سے بطورِ خاص استفادہ کیا، یہ روایتیں ان میں شامل نہ ہوں۔مثلاً مسلسلات کی تالیف وترتیب میں من جملہ اور کتابوں کے حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک ماخذ علامہ سیوطیؒ کی **اربعون صغریٰ (جیاد المسلسلات)** بھی ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''مسلسلات صغریٰ تصنیف جلال الدین سیوطی ازاں جملہ حدیث مسلسل بیوم العید است، و ازاں جملہ حدیث مسلسل بمصافحہ است، واز انس بن مالک رسیدہ۔ واکثر آں درکتاب مسلسلات حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ داخل است، وسماع آں راقم سطور را حاصل''۔(23)

''مسلسلات صغریٰ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی تالیف ہے۔اس کی من جملہ مرویات میں سے حدیث مسلسل بیوم العید ہے اوانہی میں مسلسل بالمصافحہ ہے جو حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے پہنچی

ہے او اس (مسلسلات صغریٰ) کی اکثر روایت حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی مسلسلات میں شامل ہیں۔ راقم سطور (شاہ عبدالعزیزؒ) کو ان کا سماع اور اجازت حاصل ہے''۔

اس لیے ممکن ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنی اس تالیف میں صرف وہی مسلسلات شامل کی ہوں جو مسلسلات صغریٰ سیوطی میں مرکزی حیثیت رکھتی تھیں۔

اس خیال کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ایسی متعدد روایتیں جو علمائے مسلسلات کی ترتیب اور معمول کے مطابق الفضل المبین میں ہونی چاہیے تھیں، وہ النوادر میں درج ہیں۔ مثلاً ''مسلسل بالمشابکة'' (پنجہ کشی کی روایت) النوادر میں ہے۔ حالاں کہ اس کا صحیح محل الفضل المبین میں تھا۔ مسلسل بالمشابکۃ کی روایات کو امام حاکمؒ اور علامہ عراقیؒ وغیرہ نے واضح طور پر مسلسلات میں ذکر فرمایا ہے۔ (24)

ایسی ہی ایک اور روایت یا مسلسل جس کو الفضل المبین میں شامل ہونا چاہیے، مناولت بالتسبیح کی ہے جس کو حضرت شاہ صاحبؒ اپنے استاذ شیخ عمر ابن بنت الشیخ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں۔ شاہ صاحب نے لکھا ہے:

واما السبحة فناولنی ها السید عمر ابن بنت الشیخ عبدالله البصری المکی الی آخر الروایة''. (26)

''یہ حدیث روایت کرتے وقت مجھے تسبیح عطا کی سید عمر بن بنت شیخ عبداللہ بصری مالکیؒ نے۔''

اس خیال کا ایک اور قرینہ یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ نے سلسلۂ مسلسلات کی ایک معروف روایت جس کی شاہ صاحبؒ کو اجازت و سند حاصل ہے اور خود حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے صاحبزادگان اور متعدد اصحاب کو اس کی سند و اجازت سے نوازا بھی ہے۔ ''المسلسل بالتمر والماء'' کی ہے کہ جو الفضل المبین اور النوادر دونوں میں شامل نہیں۔ حالاں کہ اس روایت کو اور محدثین نے عام طور پر مسلسلات کے مجموعوں میں شامل کیا ہے۔ ممکن ہے یہ خیال کیا جائے کہ چوں کہ ''المسلسل بالتمر والماء'' کی نسبت وسنت بہت کمزور ہے بلکہ اس کا مدار علیہ راوی (عبداللہ بن میمون القداح) متّھَمٌ بالوضع ہے۔ شاید اس وجہ سے شاہ صاحبؒ نے اس کو الفضل المبین میں شامل نہیں کیا لیکن یہ خیال صحیح نہیں، اس لیے کہ الفضل المبین کی بعض اور روایتیں بھی اس شبہ سے محفوظ نہیں ہیں۔

المسلسل بالتمر والماء مسلسلات (الفضل المبین وغیرہ) کے قدیم خطی نسخوں میں شامل نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے قلم سے مسلسلات کی جو سندیں موجود ہیں ان میں بھی المسلسل بالتمر والماء کا تذکرہ مجھے نہیں ملا، بعد کے علما کو بھی مسلسلات کی سند و اجازت اور المسلسل بالتمر والماء کی اجازت علاحدہ علاحدہ ملی۔ مثلاً مجموعہ مسلسلات کی اشاعت و روایت سے وابستہ ممتاز ترین متاخر علما مولانا علی اکرم آرویؒ (جو مجموعۂ مسلسلات کے سب سے پہلے ناشر ہیں) اور مولانا خلیل احمد انبیٹھوی مہاجر مدنیؒ جن کے توسط سے مسلسلات کا

سلسلہ عام ہوا ہے دونوں کی "المسلسل بالتمر والماء" کی اجازت، مسلسلات کی اجازت سے علاحدہ تھی۔

مولانا علی اکرم آرویؒ کو مسلسلات کی اجازت اپنے استادِ حدیث مولانا سید عالم علی نگینویؒ سے تھی مگر "مسلسل بالتمر والماء" کی اجازت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ سے حاصل ہوئی۔ مولانا اکرم نے لکھا ہے:

وقد كتبنا هذا الحديث عن كتاب مولانا الحافظ السيدى ابى الهاشم محمد عالم على المحدث النجينوى، وما حصل لى السند بهذا الحديث عن جنابه، لفقدان الاسودين، فلما نزل مولانا الحافظ محمد عبدالرحمن المحدث البانى بتى فى دارى ببلدة آره، فقد حصل لى السند بهذا الحديث عن جنابه، واضافتى بالاسودين التمر والماء فى شهر الصيام عند الافطار.

وقال حصل لى سند هذا الحديث رجل ولايتى الى مولانا محمد اسحاق، ولم يكن له سند هذا الحديث بلاواسطة اليه، ولكنه كان تلميذا لمولانا محمد اسحاق وعنده اسانيد عن جنابه بالاستيعاب للصحاح وغيره واكثر العلوم. (27)

اسی طرح مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے بھی صراحت کی ہے کہ میں نے مولانا عبدالقیوم بڈھانویؒ سے مسلسلات پڑھی، اس کی اجازت لی۔ اس کے علاوہ المسلسل بالتمر والماء کی اجازت بھی حاصل کی جو مسلسلات سے خارج ہے۔ مولانا کہتے ہیں:

وقد قرأت عليه الحديث المسلسل بالضيافة بالتمر والماء، واجازنى به وضافنى بها، وهو خارج عن رسالة المسلسلات. (28)

خدابخش لائبریری پٹنہ میں الفضل المبین کا وہ قلمی نسخہ محفوظ ہے جو ۱۱۶۰ھ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے پڑھا گیا تھا۔ اس نسخہ میں شاہ صاحبؒ کے ایک شاگرد شیخ محمد بن محمد بلگرامی ثم الہ آبادی نے حضرت شیخ سے سبقاً سبقاً پڑھا ہے اور اس پر اپنی قرأت اور اجازت کی تاریخیں بھی لکھی ہیں اور اس نسخہ کے اختتام پر حضرت شاہ صاحبؒ کے دست مبارک سے شیخ محمد بن محمد بلگرامی کے لیے مسلسلات کا اجازت نامہ بھی تحریر ہے، جس میں شاہ صاحبؒ نے الفضل المبین کی سندوں خصوصاً مغاربہ (مراکش وافریقہ) کے علما کے واسطوں میں بعض فروگزاشتوں کا ذکر فرمایا ہے اور موقع ملنے پر ان کی تصحیح کے ارادے کا بھی تذکرہ فرمایا ہے، تحریر ہے:

على ان فيها بعض شيء من الخلل فى ضبط الاسماء، لاسيما فى اسماء المغاربة، لم يتفرغ لتصحيحها ساعتنا هذا، وعسىٰ ان يتيسره الله تعالىٰ فى الزمان المستقبل.

یہ اجازت نامہ شروع محرم ۱۱۶۰ھ (جنوری 1747ء) کا لکھا ہوا ہے۔ معلوم نہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو اس ارادہ کی تکمیل کا وقت ملا یا نہیں ملا۔ بہ ظاہر اس کی کم ہی اُمید ہے کیوں کہ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی

مصروفیات میں اضافہ ہی ہوا ہے کمی نہیں ہوئی۔ اس لیے قرین قیاس ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو اس مجموعہ کی تصحیح کا شاید موقع نہیں ملا ہوگا اور جب خود حضرت شاہ صاحبؒ یہ خیال فرما رہے ہیں تو بعد میں نقل نسخوں کی کامل تصحیح کی توقع ہی بے محل ہے۔ مسلسلات کا حضرت شاہ صاحبؒ کا یہی نسخہ معروف و مروج ہے اور اس کی سند و روایات کی تصحیح و تحقیق پر کما حقہ توجہ نہیں فرمائی گئی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کو اس کی بعض سندوں کی ترتیب و اجازت پر بھی شبہات تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کے حل اور تفہیم کے لیے شیخ محمد بن شیخ طاہر کو خط بھی لکھا تھا۔ شیخ موصوف نے اس کے جواب میں جو کلمات ارقام فرمائے، اس کی متعلقہ سطور ملاحظہ ہوں:

وذكرتم في ورقة الالحاق انه هل لسيدى الوالد نفع الله به وقدس سره، اجازت عامة من البابلى وزين العابدين بن عبدالقادر الطبرى؟ فهذا السوال عجيب من سيدنا، مع ان مسلسلات رحمة الله عليه بقيت بيتكم مدة.

فامّا البابلى فشيخه ملا فاضل، صرح به فى المسلسلات فى الحديث الخامس والاربعون، المسلسل بالحفاظ. وافى الامم صرح به فى كتب الشافعية فى تصانيف ابن حجر و تصانيف محمد الرملى، فهو مجاز منه اجازة خاصة ورآه واحتج به. واما الطبرى فروى عنه فى مسلسلاته، وقد روى الحديث المسلسل بالاولية عنه شيخه من الشيوخ الرابع، منهم الطبرى المذكور، فراجعوا تجدوا ذالك ان شاء الله تعالىٰ....۔(29)

ترجمہ: ”آں مکرم نے (خط کے) ملحقہ ورق میں جو تذکرہ کیا ہے کہ کیا میرے والد محترم کو بابلی اور شیخ زین العابدین بن عبدالقادر طبریؒ سے اجازت عامہ حاصل ہے۔ (30) یہ سوال جنابِ عالی سے غیر متوقع ہے کیوں کہ حضرت مرحوم کی مسلسلات ایک عرصہ تک آں جناب کے پاس رہی ہے۔ پس بابلی ان کے شیخ ملا فاضل تھے، جن کی بابلی نے اپنے مسلسلات کی حدیث نمبر چوّن (۵۴) **المسلسل بالحفاظ** میں صراحت کی ہے اور **”الامم لایقاظ الھمم“** میں علمائے شافعیہ کی کتابوں کی اسانید میں، خصوصاً حافظ ابن حجرؒ اور محمد الرملیؒ کی تصانیف کے تحت ذکر کی ہے۔ پس وہ بابلی سے روایت کے مجاز ہیں اجازتِ خاصہ کے ذریعے سے۔ انھوں نے بابلی کو دیکھا ہے اور ان سے (استفادہ) اور استدلال کیا ہے۔(31)

اور طبری ان سے (والد ماجد نے) اپنی مسلسلات میں روایت کیا ہے اور وہ **مسلسل بالاولیة** اپنے شیوخ میں سے چوتھے شیخ سے روایت کرتے ہیں، ان ہی میں طبری بھی شامل ہیں۔ پس آں جناب اس کتاب سے مراجعت فرمائیں، ان شاء اللہ اس میں پالیں گے“۔(33,32)

اس سلسلے میں یہ عرض کرنا نہایت ضروری ہے کہ اس مجموعہ رسائل میں کئی سندیں اور روایتیں ایسی بھی ہیں کہ ان کی روایت اور سند دونوں نہایت مشکوک اور ناقابل اعتماد ہیں۔ علما اور محدثین کو ان پر بہت سے اعتراضات ہیں یا وہ روایت بالکل ہی بے اصل اور ناقابل قبول ہیں۔ مگر اس کی وجہ سے مجموعۂ مسلسلات پر بہت حرف نہیں آتا، کیوں کہ ان میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں، جس کو بنیادی دینی تعلیمات و مسائل میں ماخذ و متدل کی حیثیت حاصل ہو اور یہ بھی معلوم ہے کہ ایسی تمام روایتوں کی سند اور مندرجات کے اور علمائے کرام کے علاوہ خود ان روایتوں کی نقل کرنے اور سند دینے والے علما اور محدثین بھی شدید ناقد رہے ہیں۔ مثلاً علامہ سخاویؒ نے **المسلسل بالتمر والماء** کے متعلق صاف لکھا ہے:

ولوائح الكذب عليه ظاهرة، استبيح ذكره الامع بيانه، لكن المحدثين مع كثرة كلامهم عليه، ومبالغتهم فى تضعيفهما، ورميه بالوضع لايزالون يذكرونه، ويسلسلونه بالتبرك وحسن النية. (34)

علامہ سخاویؒ اور آئمہ محدثین کی اسی روایت کی پاسداری میں مسلسلات کے تمام سلسلوں کی نقل و روایت جاری ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض محتاط علما اس کی نقل و روایت کو جائز ہی نہیں سمجھتے۔ ہمیشہ کی طرح اب بھی دونوں قسم کے علما اور محدثین موجود ہیں، اس لیے ان روایتوں کی نقل و سند بھی جاری ہے اور ان پر تنبیہ اور تنقید بھی:

وللناس فيما يعشقون مذاهب.

الفضل المبین کا قدیم معتمد ترین نسخہ

آخر میں **الفضل المبین** کے چند قلمی اور مطبوعہ بنیادی نسخوں کا تعارف حاضر ہے۔ نسخہ خدا بخش پٹنہ جس کا اوپر ذکر آیا ہے اب تک دریافت نسخوں میں صحیح ترین، قدیم ترین اور معتمد ترین نسخہ ہے یہ فل اسکیپ (**Full Scape**) کے اٹھارہ ورق یا چھتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ فی صفحہ اٹھارہ سطریں ہیں، خوبصورت اور عمدہ نستعلیق رواں قلم ہے۔ مشکل اعراب اور بعض نادر نسبتوں کو خاص طور پر واضح کیا ہے۔ سطور کے درمیان اور حاشیوں پر کہیں کہیں کچھ وضاحت یا حضرت شاہ صاحب کا مختصر افادہ بھی درج ہوا ہے۔ اگر اصل متن کا کوئی لفظ یا فقرہ نقل سے رہ گیا تھا اس کا حاشیہ پر اضافہ ہے۔ پورا نسخہ (اس دور کے طرزِ کتابت کے مطابق) مسلسل ہے۔ درمیان میں کوئی عنوان نمایاں کیا گیا ہے، نہ فقرہ بندی ہے نہ تحویل سند اور نئی روایات کے آغاز پر کوئی امتیاز۔ تاہم نسخہ قابل دید ہے اور **الفضل المبین** کے قدیم معلوم نسخوں میں اپنی تحریر اور امتیازات کی وجہ سے سب سے قیمتی نسخہ ہے۔

کاتب و ناسخ نسخہ نے اختتامِ کتابت کی تاریخ درج نہیں کی، مگر اس کے مختلف صفحات پر کاتب نسخہ کے قلم سے یہ اطلاعات تاریخ و مہینہ کی صراحت کے ساتھ درج ہیں کہ کاتب کو **مسلسل بالاولية، مسلسل بقرأت سورة**

www.rahimia.org

الصف اور مسلسل بالمصافحة کی کس تاریخ کو کس سے اجازت حاصل ہوئی۔ ان میں سے تین اجازتیں ۲۲/ ذی قعدہ ۱۱۵۹ھ (دسمبر 1746ء) کو ملیں جو بعد میں حاشیہ پر درج کی گئی ہیں، جس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ نسخہ ذی قعدہ ۱۱۵۹ھ سے پہلے کا مکتوبہ ہے:

قال العبد المفتقر الی الله الاحد الصمد، الشیخ محمد بن محمد، حدثنی شیخنا المحدث ولی الله العمری الدهلوی، من سنة، للحدیث والسورة المسلسل بقرأة الصف وانا اسمع، یوم الثلثاء الثانی والعشرین، من ذی قعدة بین العصر والمغرب فی المسجد.

کاتب نسخہ نے پہلے صفحہ پر یہ اطلاع دی ہے کہ جب میں نے یہ رسالہ (الفضل المبین) حضرت شاہ ولی اللہؒ سے پڑھا، اس وقت میں حضرت شاہ صاحبؒ کے کتب ستہ کی اجازت وسندیں لے چکا تھا، بعد میں جب مسلسل بالاولیة کی اجازت وسند کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ سے عرض کیا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے ماموں زاد بھائی شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کی طرف رہنمائی کی کہ اب یہ مسئلہ ان سے حل ہوسکتا ہے۔ اس لیے میں ان کا منتظر رہا۔ شاہ محمد عاشقؒ سے ۱۰/ صفر ۱۱۶۰ھ (فروری 1747ء) کو دہلی میں ملاقات ہوئی۔ انھوں نے میرے سامنے حدیث مسلسل بالاولیة روایت کی، میں سُن رہا تھا پھر میں نے قرأت کی۔ شاہ محمد عاشقؒ نے سماعت فرمائی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی موجودگی میں مسلسل بالاولیة کی اجازت سے نوازا۔ مولانا بلگرامی کے الفاظ درج ذیل ہیں:

الحدیث المسلسل بالاولیة، قال العبد الی الله الاحد الصمد، الشیخ محمد بن محمد حین قرأت الرسالة من اولها الی آخرها فی خدمت امام المحدثین الشیخ ولی الله العمری، وفات من التسلسل بالاولیة، سبق الاسناد من الکتب الستة، ارشدنی الی ابن خاله، الشیخ محمد عاشق، وکنت منتظر لقیته؟ حتی وافیت منه محروسة الدهلی، یوم الثلاثاء عاشرا الصفر سنه ۱۱۶۰ ھ فحدثنا بالاسناد المذکور وانا اسمع، ثم عدت و قرأت علیه وهو السمیع، واجازنی بحضور الشیخ المذکور. والحمد لله علی ذالک.

کاتب نسخہ نے اور مقامات پر یہ وضاحت بھی کی ہے کہ انھوں نے حضرت شاہ صاحب سے مسلسل بقرأة سورة الصف کی اجازت سہ شنبہ (یوم الثلاثاء) ۲۲/ ذی قعدہ کو عصر ومغرب کے درمیان حاصل کی، دوسرے اندراج میں اسی دن مسلسل بالمصافحة کی اجازت بھی تحریر ہے، لکھا ہے:

یقول العبد المفتقر الی الله الاحد الصمد، الشیخ محمد بن محمد، البلکرامی ثم الٰه آبادی، الشیخ ولی الله ادام الله برکاته، صافحنا بالکف التی صافحت بها اباطاهر الکردی المدنی، فصافحنی و صافح احدی عشر رجل من الصلحا، وکان ذالک یوم الثلاثاء، الثانی عشرین من ذی قعده ۱۱۵۹ ھ.

کتاب کے اختتام یعنی آخری صفحہ پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کا اجازت نامہ تحریر ہے، جس کے چند کلمات اوپر گزر گئے ہیں، مکمل عبارت یہ ہے:

الحمد لله قد قرأ على هذا الرسالة كلها، صاحب النسخة، أخونا الصالح الشيخ محمد، احسن الله تعالیٰ واصلح حاله، فاجزت له روایتاً عنی. علی ان فیها بعض شیء من الخلل فی ضبط الاسماء لاسیما فی اسماء المغاربة. لم یتفرغ لتصحیحها ساعتنا هذا. وعسی ان یتیسر الله تعالیٰ لنا ذالک فی الزمان المستقبل.

كتب هذه السطور، مؤلفها الفقير ولی الله. اوائل محرم ۱۱۶۰ھ آخر ساعة من يوم الجمعة. والحمد لله تعالیٰ اولاً وآخراً و ظاهراً و باطناً. (35)

نسخہ کاکوری با جازت مؤلف

الفضل المبین کا ایسا ہی ایک اور قیمتی نسخہ جس پر حضرت شاہ صاحبؒ کے قلم سے اجازت تحریر ہے، خانقاہِ کاظمیہ قلندریہ کاکوری میں محفوظ ہے۔

نسخہ کاکوری 20/11 سینٹی میٹر پیمانہ کے اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں 9 سینٹی میٹر متن کا حصہ ہے۔ 2 سینٹی میٹر کا حاشیہ چھوٹا ہوا ہے جس میں کہیں کہیں افادات یا حواشی تحریر ہیں۔ اکثر حاشیہ سادہ ہے، فی صفحہ اٹھائیس سطور ہیں، عمدہ نسخہ ہے۔ یہ نسخہ بھی بہت اچھا ہے مگر کہیں کہیں دیمک وغیرہ کے اثرات کی وجہ سے پیوند لگے ہوئے ہیں۔ کتاب پر کاتب کا نام سنہ کتابت وغیرہ درج نہیں۔ تاہم کتاب کے اختتام کے بعد آخری صفحہ پر حضرت شاہ صاحبؒ کے قلم سے بابا فضل اللہ کشمیری کے لیے اس کتاب کا اجازت نامہ تحریر ہے، لکھا ہے:

الحمد لله وحده! اجزت بهذا الرسالة لاخینا فی الله عزوجل، فضل الله بن عبدالسلام الكروی الكشمیری.

قال ذالک بفهمه وكتبه بقلمه، الفقير الى رحمة الله الكريم، مصنف الرسالة، ولی الله بن عبدالرحیم، كان الله تعالیٰ له وصل الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله و صحبه اجمعین.

مزید کوئی لفظ یا سنہ کتابت وغیرہ اس پر درج نہیں۔

اس نسخہ کے بین السطور میں کہیں کہیں مختصر افادات یا حاشیے درج ہیں، اگرچہ کہیں کہیں صراحت یا کسی کا نام موجود نہیں، مگر قرین قیاس ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کے افادات وکلمات ہوں۔ (36)

دیوبند کے خطی نسخے

کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں مجموعۂ مسلسلات میں شامل تینوں رسائل کے تین تین قلمی نسخے موجود ہیں دو نسخے اور ایک مجموعہ رسائل محمد یوسف بن شیخ عبدالصمد بڈھانوی کے قلم سے ہے۔ یہ تینوں رسالے ۱۲۹۰ھ اور ۹۸-۱۲۹۷ھ میں نقل کیے گئے تھے۔ جس میں ایک نسخہ مطبوعہ آرہ کی جوں کی توں نقل ہے۔ (37) ایک نسخہ اور ہے جس پر کاتب کا نام، تاریخ وسنہ کتابت یا کوئی اور علامت یا مہر وغیرہ موجود نہیں۔ اس نسخہ کے متعلق فہرست مخطوطات دارالعلوم کے مرتب نے یہ اطلاع دی ہے کہ:

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے مطالعہ میں رہ چکا ہے''۔ (38)

مگر مرتب فہرست کی یہ اطلاع بہ ظاہر صحیح نہیں۔ راقم سطور نے یہ نسخہ دیکھا ہے، مگر اس میں ایسی کوئی عبارت درج نہیں جس کی وجہ سے اس کو شاہ صاحبؒ سے منسوب کیا جاسکے، اور کاغذ وغیرہ سے بھی شاہ صاحبؒ کے بعد کا معلوم ہوتا ہے۔

مجموعہ مسلسلات کی پہلی طباعت

مجموعۂ مسلسلات سب سے پہلے کب چھپا تھا، مجھے اس کا علم نہیں۔ جو مطبوعہ نسخے دستیاب ہوئے ان میں قدیم ترین طباعت مطبع نورالانوار، آرہ بہار کی ہے۔ یہ نسخہ مولانا علی اکرم آروی صاحبؒ نے ایک قلمی نسخے کی مدد سے مرتب کر کے ۱۲۹۳ھ (1876ء) میں شائع کیا تھا۔ مولانا علی اکرمؒ کو مولانا محمد سعید محدث عظیم آبادیؒ کے کتب خانے میں (الفضل المبین) یعنی مسلسلات کے ایک قلمی نسخے کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ نسخہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد مولانا محمد بن محمد بلگرامی الہٰ آبادیؒ کا لکھا ہوا تھا۔ اسی نسخے پر حضرت شاہ صاحبؒ کے قلم سے مولانا محمد بلگرامیؒ کے لیے اس نسخے کی اجازت وسند مرقوم تھی، یہ وہی نسخہ ہے جس کا نسخۂ خدابخش کے عنوان سے اوپر تعارف کرایا گیا ہے۔ مولانا علی اکرمؒ نے حضرت مولانا سے یہ نسخہ لے کر اس کی نقل کی۔ مولانا علی اکرمؒ نے اس نسخے سے طالب علمی کے زمانے میں استفادہ کیا تھا اور اسی وقت اس کی ایک نقل تیار کر لی تھی، مگر بعد میں تعلیمی مصروفیت میں اضافہ کی وجہ سے اس کا موقع نہیں ملا کہ مولانا علی اکرمؒ کی اس نقل کی اصل سے مطابقت اور مکرر تصحیح کر لیتے، لہٰذا اسی ابتدائی نقل کو بنیاد بنا کر مجموعۂ مسلسلات میں شائع کر دیا تھا۔

حالاں کہ مولانا محمدؒ کا لکھا ہوا نسخہ نہایت عمدہ بہت واضح اور ایسا صاف ستھرا ہے کہ اس سے مقابلہ میں غلطی کا کم سے کم امکان ہے۔ لیکن کوئی رفیق نہ ہونے کی وجہ سے مولانا علی اکرمؒ کو اس نقل کے اصل سے مقابلہ کا موقع نہیں ملا، مولانا نے لکھا ہے:

''ہر چند در استکتاب، رعایت صحت الفاظ و ضبط روایت وبعض لغات و معانی بہر چہ تمام تر نمودہ

باشد، اما بسبب نایافت طرفِ مقابل از منقول عنہ اتفاق مقابلہ نہ گردید''۔(39)

اگر چہ مولانا علی اکرمؒ صاحب نے اپنے دونوں استادوں سے مسلسلات کے نسخوں سے بھی استفادہ کیا تھا، اور بقول خود اپنے نوشتہ (یعنی منقولہ از نسخہ محمد بن محمد بلگرامی) کا ان دونوں نسخوں سے مقابلہ بھی کر لیا تھا اور ان کے فوائد و معانی وغیرہ اپنے نسخے کے حاشیہ پر لکھ لیے تھے، مولانا کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''اسانید مسلسلات از حدیث مسلسل بالاولیۃ شروع نمودم، ہمہ ایں اثنا شروع در قرأت و تصحیح و مقابلہ رسالہ خودم با رسالہ جناب ایشاں اتفاق افتاد، و بعض تعلیمات از افادات حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ علیہ، و دیگر فوائد مغلق الفاظ و اعراب و معانی آنچہ برآں ثبت بود، از سواد بہ بیاض در آمد، نقل بر کتاب خود نمودہ شد''۔

(مسلسلات کی اسانید (کی روایت و قرأت کی) میں نے مسلسل بالاولیۃ سے ابتداء کی اور اسی وقت اپنے رسالے کی تصحیح اور مقابلہ آں جناب (مولانا عالم علی نگینویؒ) کے نسخے سے کرنے کا موقع ہوا اور بعض حاشیے افادات حضرت میاں (شاہ محمد اسحٰقؒ) صاحب کے نیز جو چند اور فائدے مشکل الفاظ، اعراب وغیرہ پر لکھے ہوئے تھے، سیاہی سے سفیدی پر پہنچے (میں نے) ان کو اپنی کتاب پر نقل کر لیا)۔

مگر اس اہتمام اور دو دو نسخوں سے نقل اور استفادہ کے باوجود مولانا علی اکرمؒ کا مرتبہ اور شائع کیا ہوا نسخہ پوری طرح لائق اعتماد نہیں۔ غالباً ابتدائی نقل میں خاصی فروگزاشتیں رہ گئی تھیں۔ بعد میں طباعت کے لیے کتابت کے وقت ان غلطیوں میں اور اضافہ ہوا۔ اس لیے موجودہ نسخے کا مشکل سے کوئی صفحہ اور روایت ایسی ہوگی، جس میں متعدد فروگزاشتیں اور تصحیفات موجود نہ ہوں۔ یہ اسی طباعت کی بعض تصحیفات و اغلاط ہیں جن کو متاخر طباعتوں میں کہیں متن میں کہیں حاشیہ میں نسخہ کے عنوان سے درج کیا گیا ہے۔

حالاں کہ یہ فقرے اور الفاظ جو بعد کی طباعتوں میں اس نسخے کے حوالے سے شامل ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ کے درس میں پڑھے گئے مذکورہ دونوں نسخوں میں موجود نہیں، اس پہلی طباعت کے چند حاشیوں پر بھی اختلاف نُسَخ درج ہے جو بہ ظاہر ان نسخوں پر مبنی ہے جو مولانا علی اکرمؒ نے اپنے استادوں کے پاس دیکھے تھے، مگر چوں کہ مولانا علی اکرمؒ نے ان نسخوں کی تفصیل کا ذکر نہیں کیا اور ان کی قدامت و اصلیت کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ اس لیے ان پر بھی اعتماد غالباً صحیح نہیں ہوگا۔

مولانا علی اکرمؒ کا مرتبہ یہ مجموعہ رسائل، جس میں مسلسلات کے تینوں رسائل کے علاوہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تالیف تراجم البخاری بھی شامل ہے۔ ۵/محرم الحرام ۱۲۹۲ھ (12 فروری 1875ء) کو مطبع نور الانوار آرہ (بہار) سے چھپا تھا۔ یہ مجموعہ چورانوے (۹۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق کے بعد فارسی میں دو صفحہ کی تمہید ہے جس کے بعض اقتباسات آ چکے ہیں۔ یہ تمہید اصل رسالہ اور اس کے صفحات سے خارج ہے۔ اس کے بعد **الفضل المبین** ہے۔

www.rahmia.org

ص۲ سے ۵۲ تک الدرالثمین ہے، ص۵۵ سے ص۶۷ تک ہے اور النوادر ۶۷ سے ص۸۸ پر مجموعۂ رسائل ثلاثہ اختتام پذیر ہوا ہے۔ رسالہ تراجم البخاری ہے۔ آخر میں ص۹۱ سے ۹۳ تک حضرت رسول اکرم ﷺ کی شانِ مبارک میں سیدنا حسان بن ثابتؓ کا ایک قصیدہ درج ہے۔ ص۹۳، ۹۴ پر اس مجموعہ کے مرتب مولانا علی اکرمؒ کی اس خدمت کے تذکرہ اور توصیف پر مشتمل، مولانا عبدالسلامؒ اور مولانا نورالحسن بہاریؒ کے عربی اشعار ہیں، اسی پر یہ مجموعہ ختم ہو گیا ہے۔

الدر الثمین مطبوعہ احمدی دہلی

یہ **الدر الثمین** کی غالباً پہلی طباعت ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں کے مشہور ناشر اور شاہ رفیع الدینؒ کے نواسہ سید احمد ولی اللہی نے شائع کیا تھا۔ اس نسخے کے سرورق پر اس کا نام اس طرح چھپا ہوا ہے:

الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین

معہ ترجمہ اردو برحاشیہ

مسلسلات حضرت مولانا اسحاق صاحبؒ

پہلے صفحے کے آغاز پر سید احمد ولی اللہی کی مختصر تمہید ہے، جس میں اس نسخے کی دستیابی اور طباعت کے اشتیاق کا ذکر ہے۔ یہ اشاعت جو اُردو ترجمہ کے ساتھ ہے، صرف سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔ سید احمد ولی اللہی کی شائع کی ہوئی اکثر کتابوں کی طرح اس کا بھی دو کالمی صفحہ ہے۔ صفحہ اول کے حاشیے سے ص۱۰ کے حاشیے تک **مسلسل بالاسودین التمر والماء** درج ہے۔ مگر اس کا ترجمہ شامل نہیں اور اس کے آغاز پر یہ صراحت بھی درج ہے کہ:

هذا حديث مسلسل بالاسودين، هذا الحديث خارج عن كتاب المسلسلات".

اس پر سنہ کتابت درج نہیں، مگر خیال یہ ہے کہ یہ ۱۵-۱۳۱۰ھ (1893-98ء) کے درمیان کی طباعت ہے۔ الدرالثمین کی احمدی دہلی کی مذکورہ طباعت کے علاوہ کم سے کم دو طباعتیں اور بھی ہیں۔

مطبع احمدی کی ایک اور طباعت

یہ طباعت احمدی کی پہلی طباعت کی گویا نقل ہے۔ دونوں میں معمولی سا فرق ہے، اس طباعت میں **مسلسل بالاسودین** ص۱۴ کے حاشیے تک درج ہے اور آخری صفحہ (۱۶) پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب **قرۃ العین فی تفضیل الشیخین** مطبوعہ مجتبائی دہلی کا اشتہار ہے۔ اس اشتہار کے اختتام پر جنوری 1898ء (شعبان، رمضان ۱۳۱۶ھ) کی تاریخ مرقوم ہے۔

ایک اور طباعت مذکورہ دونوں طباعتوں کے بعد کی ہے۔ یہ نسخہ سید احمد ولی اللہی کے بھانجے سید عبدالغنی جعفری نے ہندوستان پرنٹنگ ورکس دہلی سے چھپوایا تھا۔ طبع مجتبائی کا پتہ بھی درج ہے۔ سنہ طباعت درج نہیں، 1930ء

www.rahinia.org

کے بعد کی طباعت ہوگی۔

مسلسلات، مطبوعہ سہارنپور ۱۳۵۷ھ

مجموعۂ مسلسلات کی ایک معروف اشاعت وہ ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (مہاجر مدنی) کے اہتمام اور مولانا سید بدرِ عالم میرٹھیؒ (مؤلف ترجمان السنہ وغیرہ) کی کوشش سے مطبع اختر ہند سہارنپور سے چھپی تھی۔ چوں کہ شیخ الحدیث اور مولانا بدرِ عالم صاحبؒ دونوں کا مسلسلات کی اجازت وسند کا سلسلہ حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی مہاجر مدنیؒ (صاحب بذل المجہود فی حل سنن ابی داؤد) سے تھا، اس لیے اس طباعت کے ابتدائی چھ صفحات میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے قلم سے، مولانا کے لیے مسلسلات کی اجازت اور سندوں کی تفصیلات تحریر ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمدؒ کو مسلسلات کی پہلی اجازت مولانا مفتی عبدالقیوم بڈھانویؒ سے ۸/شوال ۱۲۹۳ھ (25 اکتوبر 1876ء) کو حاصل ہوئی۔ دوسری سند شیخ احمد دحلان مکیؒ سے ملی جس پر سنہ اور تاریخ درج نہیں، تیسری سند و اجازت حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنیؒ سے ۱۲۹۴ھ (1877ء) میں ملی۔ شاہ عبدالغنیؒ نے **المسلسل بالتمر والماء** کی اجازت بھی عنایت کی۔ چوتھی سند واجازت شیخ احمد برزنجیؒ مفتی مدینہ منورہ سے ملی جو ۱۳۲۳ھ کی مکتوبہ ہے۔

اس طباعت میں **الفضل المبین** کے اختتام پر صفحہ ۵۳ سے صفحہ ۵۶ کے آغاز تک **مسلسل بالاسودین التمر والماء** اور **المسلسل باجابة الدعاء عندالملتزم** بھی شامل ہیں۔ اس کی تمہید میں مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے لکھا ہے کہ مجھے دونوں کی اجازت وسند مولانا عبدالقیوم بڈھانویؒ سے ۱۲۹۱ھ میں بھوپال میں حاصل ہوئی۔ بعد ازاں صفحہ ۵۶ سے ۶۷ تک **الدر الثمین** ہے اور صفحہ ۶۸ سے صفحہ ۸۸ تک **النوادر** اس پر بھی سنہ طباعت درج نہیں۔ غالباً ۱۳۵۷ھ (1938ء) کی طباعت ہے۔

یَحیَوی سہارنپوری کی اشاعتیں

بعد میں یہی نسخے کئی مرتبہ کتب خانہ **یحیوی** سہارنپور سے چھپے۔ ۱۳۹۰ھ (1970ء) اور اس کے بعد کی اشاعتوں پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے چند افادات کا اضافہ ہوگیا تھا جو قدیم اشاعتوں میں شامل نہیں تھے۔ اس اشاعت کا عکس کئی مرتبہ شائع ہوا، جو اب بھی بازار میں دستیاب ہے۔

بحاشیہ مولانا عاشق الٰہی بلندشہریؒ: کراچی ۱۴۱۰ھ

مجموعۂ مسلسلات کی آخری نئی ترتیب واشاعت مولانا عاشق الٰہی بلندشہری مہاجر مدنیؒ کی ہے۔ مولانا عاشق الٰہیؒ نے مسلسلات کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے شائع کیے ہوئے نسخے کو سامنے رکھ کر اس میں پہلی معمولی جزوی

ترمیم تو یہ کی ہے کہ اس میں درج حضرت مولانا خلیل احمدؒ کے حوالے سے جو اضافے یا سندیں درمیان کتاب میں شامل تھیں، ان کو علاحدہ کر کے ان کے آغاز پر ضمناً تذکرہ کر دیا ہے، نیز بعض احادیث وآثار کی جزوی تخریج کی ہے اور چند موقعوں پر حاشیے ثبت کیے ہیں، لیکن کتاب کے متن اور سند میں جو مشتبہ مقامات مراجعت وتصحیح کے محتاج ہیں اور بعض روایات اور سندوں کی فنی حیثیت پر جس نظر ثانی اور تفصیلی نقد ونظر کی ضرورت تھی، اس پر بھر پور توجہ نہیں کی گئی۔ تاہم مولانا عاشق الٰہیؒ کا مرتب کیا ہوا یہ نسخہ تصحیح متن، حواشی اور طباعت میں تمام مطبوعہ نسخوں سے ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ کمپوزنگ بھی صاف اور عمدہ ہے، حواشی میں مفید معلومات ہیں لیکن یہ مجموعہ جس توجہ کا طالب تھا وہ ہنوز باقی ہے۔

مولانا عاشق الٰہیؒ کا مرتبہ نسخہ (مجموعہ مسلسلات) مکتبہ الشیخ، کراچی (پاکستان) سے ۱۴۱۰ھ میں شائع ہوا تھا۔ اس اشاعت کے متعدد عکس ہندوستان میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

تخریج روایات مسلسلات

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے یہاں مسلسلات کے درس و اجازت کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت شیخ نے کتاب کے متعلقات و مباحث کے حوالے اور اضافات لکھنے شروع کیے جس میں ان روایات کی تخریج وتحقیق پر بھی توجہ فرمائی تھی۔ حضرت شیخ کے الفاظ سے یہ تأثرات ملتا ہے کہ حضرت شیخ نے مسلسلات پر تفصیلی حاشیہ لکھا تھا اور رجالِ مسلسلات پر علیحدہ تالیف فرمائی تھی۔ حضرت شیخ اپنی آپ بیتی میں فرماتے ہیں:

> ''مسلسلات کی ۱۳۴۶ھ سے مخصوص طلباء دورہ کے بعد اجازت لیا کرتے تھے۔ لیکن سنہ ۱۳۵۳ھ سے وہ دورہ کے بعد ایک مستقل باضابطہ سبق بن گیا، اسی وقت سے بندہ نے اس کے حواشی بھی شروع کیے جو سنہ ۱۳۸۰ھ تک چلتے رہے اور اس کی تحویلات کو جو بہت کثرت سے مسلسل بالصوفیة میں آرہی تھیں، نقشہ بنا کر دوبارہ سہ بارہ طبع کرایا۔ حواشی کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی اور اس کے رجال پر مستقل کلام علاحدہ لکھا جس کو رجال المسلسلات کے نام سے موسوم کیا''۔(41)

حضرت شیخ کی تصنیفات کی مفصل فہرست (تالیفات شیخ) کے جامع ومرتب، مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری نے بھی حواشی وتخریج مسلسلات کا مجمل ذکر کیا ہے مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان حواشی کی کیا نوعیت ہے، اس میں کن پہلوؤں اور مباحث پر توجہ فرمائی گئی ہے۔ تخریج روایات مجمل ہے، یا مفصل تمام روایات کی تخریج وتحقیق کی گئی ہے یا چند کی اور اس میں حضرت شیخ کا بنیادی رجحان کیا ہے، یہ کام کب سے کب تک ہوا نیز اس کے صفحات وغیرہ کی تعداد کا بھی ذکر نہیں۔(42)

مسلسلات پر حضرت شیخ کے علاوہ بھی دو تین علما نے توجہ فرمائی، مگر یہ مؤلفات وحواشی تعارف اور اشاعت سے

www.rahimia.org

محروم رہے۔

ہمارے دینی علمی درسی حلقوں میں مسلسلاتِ ولی اللہی کا جو مقام ومرتبہ اور پذیرائی ہے اس کا حق اور تقاضا ہے کہ اس کا ایک عمدہ وصحیح اور محقق نسخہ مرتب ہو کر شائع ہو۔ اس کے لیے تین پہلوؤں پر کام کرنے کی ضرورت ہے:

(الف): حضرت شاہ صاحب کے درس میں پڑھے گئے مسلسلات کے شاہ صاحب کی تحریر واجازت سے مزین نسخوں سے مقابلہ کر کے صحیح متن کی تعیین وترتیب۔

(ب): حضرت شاہ صاحب کے استادوں اور قریب العہد محقق صاحب نظر علما کی تحریرات اور سندوں سے مسلسلات کی سندوں کا اجمالی جائزہ اور شاہ صاحب کے مراجع سے ان متنوں کا مقابلہ اور تصحیح۔

مثلاً مسلسلات (الفضل المبین) کی متعدد روایات اسی سلسلۂ سند سے شیخ محمد عابد نے **حصر الشارد** میں بھی نقل کی ہیں، مگر **الفضل المبین** اور **حصر الشارد** کی سندوں میں کئی موقعوں پر قلیل وکثیر اختلاف ہے۔ کہیں ترتیب سند کا، کہیں نام ونسبت کا، کہیں متعلقاتِ سند کا اور کہیں اس کے علاوہ، مثلاً ایک روایت **مسلسل بالفقهاء المالكية** حضرت شاہ ولی اللہؒ شیخ وفد اللہ مکیؒ سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ اسی روایت کو شیخ محمد عابدؒ شیخ صالح فلانیؒ سے وہ محمد بن شیخ عمریؒ سے نقل فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی سند میں ہے:

عن ابی عثمان، سعید ابن ابراهیم الجزائری، عرف بقدوره مفتی تلمسان ستین سنة ..... مسلسلات، ص ۱۹.

لیکن شیخ محمد عابد کی سند وروایت میں **مفتی تلمسان ستین سنة** کا اضافہ سعید ابن ابراہیم کے اوپر والے واسطے کے ساتھ ہے، ملاحظہ ہو:

عن ابی عثمان سعید ابن ابراهیم الجزائری مفتیها عرف بقدوره، عن ابی عثمان سعید احمد ابن احمد المقری، مفتی تلمسان، ستین سنة، حصر الشارد ۲۷۵-الف.

بعد کی سند میں مزید اختلاف اور تفصیلات ہیں:

اسی قسم کے اور بھی متعدد چھوٹے بڑے اختلافات ہیں، جن سے **الفضل المبین** کے بعض مندرجات کی تصحیح ہوتی ہے اور بعض کی توضیح وتفصیل۔ اس لیے دونوں کا تفصیلی جائزہ اور مقابلہ نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(ج): مسلسلات کے رجال کی فنی تحقیق وتدوین، اس کی سندوں کا رجالِ حدیث سے مفصل تحقیقی مطالعہ اور ان سندوں کی استنادی علمی حیثیت کا مفصل تذکرہ۔

اول الذکر کام راقم سطور نے تقریباً مکمل کر لیا ہے۔ دوسرے کا ارادہ ہے، ان شاء اللہ یہ بھی جلد ہو جائے گا، تیسرا اور آخری کام باقی ہے، دیکھیے یہ سعادت کس کو ملتی ہے؟۔

www.rahimia.org

الدر الثمین اور النوادر کی تالیف وترتیب

الفضل المبین کی طرح **الدر الثمین** اور **النوادر** کا زمانۂ تالیف بھی واضح نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کیا ان کی تالیف کی ترتیب یہی تھی جو مجموعۂ مسلسلات کے موجودہ مجموعہ کی ترتیب ہے یا اس کی کچھ اور نوعیت تھی جس کا ہمیں علم نہیں۔ راقم سطور کو ان دونوں رسالوں کے کسی ایسے نسخہ کا سراغ نہیں ملا جو حضرت مؤلف کے عہد کا ہو۔ حضرت مؤلف کی اس پر اجازت وتحریر ہو۔ شاہ صاحب کے کسی شاگرد یا متوسل نے نقل کیا ہو یا اس نسخہ کی نسخۂ مؤلف سے نقل کی صراحت ہو جو قدیم ترین نسخے معلوم ہیں، اس کی اساس کیا ہے، معلوم نہیں۔

تاہم **اتحاف النبیه** سے یہ تأثر ملتا ہے کہ مؤخر الذکر دونوں رسائل (**الدر الثمین** اور **النوادر**) کی ابتدائی ترتیب غالباً وہ نہیں تھی جو پیش نظر نسخوں کی ہے۔ **اتحاف النبیه** میں **النوادر** کے عنوان سے ایک طویل اندراج ہے مگر وہاں جو مرویات نقل ہوئی ہیں وہ **النوادر** کے معروف نسخوں میں شامل نہیں۔ **اتحاف النبیه** میں **النوادر** کے تذکرہ میں **الدر الثمین** کی مرویات میں سے بارہ بشارات یا واردات مذکور ہیں اور ان کی ترتیب بھی **الدر الثمین** کے مندرجات کی تکمیل سے مختلف ہے اور اس کے اختتام پر یہ صراحت بھی ہے کہ:

هذه اربعون حديثاً من النوادر.

توجہ طلب بات یہ ہے کہ **الدر الثمین** کے متعارف نسخوں میں بھی چالیس ہی واقعات یا حکایات ہیں، مگر **الدر الثمین** میں ان کا اختتام اور طرح لکھا ہوا ہے:

وعند هذا انتهت الرسالة والحمد لله اولاً وآخراً.

ان مختلف مندرجات کی وجہ سے دو خیال ہوتے ہیں، پہلا تو یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے غالباً پہلے یہ بشارات ومنامات قلم بند کیے تھے جو **الدر الثمین** میں شامل ہیں۔ ابتدائی ترتیب کے وقت اس مجموعہ کو **النوادر** کے نام سے موسوم کیا ہوگا، بعد میں جب اور روایات کا اضافہ عمل میں آیا تو شاید ان کے نام بدل دیئے گئے۔ جس کا نام پہلے **النوادر** تھا وہ اب **الدر الثمین** کے نام سے موسوم ہوا اور نئے رسالے کا نام **النوادر** قرار پایا، یوں بھی **الدر الثمین** کے جو مندرجات ہیں اور ان میں جن بشارات وکیفیات کا تذکرہ ہے ان کو حدیث کے اصطلاحی نام سے موسوم کرنا شاید صحیح نہ ہو۔ ان کے لیے واردات کا لفظ ہی مناسب اور موزوں معلوم ہوتا ہے۔

اتحاف النبیه اور **النوادر** کے معروف نسخوں کا ایک اور فرق بھی توجہ چاہتا ہے۔ **اتحاف** میں **النوادر** کے متعارف نسخوں میں یہ عبارت موجود نہیں، صرف یہ لکھا ہے:

لاتنويها بصحتها.

اتحاف النبیه میں ایک واقعہ کے تحت لکھا ہے:

www.rahimia.org

وقد بسطت القصه اول هذه الرسالة.

اور یہ قصہ جس کا اس فقرہ میں اشارہ ہے، **الدر الثمین** کے آغاز پر درج ہے اور اسی میں چالیس مرویات و حکایات کا اہتمام ہے۔ معلوم ہوا کہ اتحاف میں **النوادر** کے ذیل میں جو مرویات شامل ہیں، وہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تالیف کی ابتدائی ترتیب یا مسودہ میں **النوادر** کے نام سے درج کی گئی تھیں، غالباً بعد میں شاہ صاحبؒ نے جب اپنے سلسلۂ روایات میں سے کچھ اور روایات جمع اور مرتب فرمائیں تو اس رسالہ کا نام تبدیل کر کے نئے رسالہ کو **النوادر** کا نام دے دیا اور اس قدیم تالیف کو **الدر الثمین** سے موسوم فرمایا ہوگا۔

www.rahimia.org

حوالہ جات

1۔ علامہ عراقی فرماتے ہیں:"اصح مسلسل یروی فی الدنیا المسلسل بقرأة سورة الصف"، ملاحظہ ہو: ظفر الامانی بشرح مختصر الجرجانی فخر المتأخرین، علامہ عبدالحیٰ فرنگی محلی، بہ تحقیق علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، صفحہ 258، طبع ثالث، بیروت: ۱۴۱٦ھ۔

2۔ ملاحظہ ہوں:

الف: فتح المغیث شرح الفیة الحدیث، علامہ عراقی، ص:319، 320، دارالکتب العلمیۃ، بیروت: ۱۴۲۱ھ۔

ب: شرح نخبة الفکر، ملاعلی قاری، ص209، مطبع اخوت، باب عالی: ترکی، ۱۳۲۷ھ۔

3۔ (ا) مقدمہ ابن الصلاح (فی علوم الحدیث) تحقیق، ابوعبدالرحمٰن صلاح محمد بن، بن عویضہ، ص165، 166، دارالکتب العلمیہ، بیروت: ۱۴۱٦ھ۔

(ب) المسلسل بالفقهاء، وهو حديث ابن عمر، رواه البخاری فی البیوع، حاشیہ فتح الغوث، ص321۔

4۔ معرفت علوم الحدیث، امام، حاکم تحقیق، ڈاکٹر سید معظم حسین، ص:29، دارالکتب المصریہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، 1929ء

5۔ فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، ص:40، ج4، بیروت......

6۔ "مسلسلات ابن الطیب المشرقی، وهی تنوف علی ثلاث مائة حدیث مسلسلة" ..... فهرس الفهارس، علامہ عبدالحیٰ کتانی مغربی، ص661، ج2۔

7۔ اجمع المسلسلات و اکملها مسلسلات حصر الشارد و مسلسلات فاوقجی .... فهرس الفهارس، ص665، ج2۔

8۔ حضرت شاہ صاحب نے شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی کی دو کتابوں مقالید الاسانید اور صلة الخلف کا کئی موقعوں پر تذکرہ فرمایا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو: الارشاد الی مهمات علم الاسناد، ص5/4، مطبع احمدی، دہلی، رجب ۱۳۰۷ھ۔

9۔ حصر الشارد علامہ محمد عابد سندھی کی بے نظیر و بے مثال تصنیف ہے۔ علامہ عبدالحیٰ کتانی نے اپنے شیوخ حدیث، مسند الجزائر، شیخ ابوالحسن علی بن احمد کا قول نقل کیا ہے:"هو الثبت الحافل الذی لم یوجد له فی الدنیا نظیر ولا مماثل" اور محدث حجاز علامہ ظاہر الوتری المدنی کے الفاظ بھی درج کیے ہیں: هذا الفهرس لا یوجد علی کل مانعلم او ضح منه و اصح فهرس الفهارس، ص364، ج1۔

10۔ اس مفصل کتاب میں علامہ شیخ محمد عابد نے اپنے اساتذہ سے پڑھی ہوئی اکثر کتابوں کی سندیں نقل اور جمع کی ہیں، آخر میں اپنی مسلسلات درج فرمائی ہیں، جو زیر نظر نسخہ کے دوسو چار صفحات (ورق 212 سے 314 تک) پر محیط ہیں۔ حصر الشارد کے ایک نسخہ کا عکس جو نسخۂ مصنف کی نقل اور اس سے مقابلہ کیا ہوا ہے، راقم سطور کے پاس ہے۔ حصر الشارد گزشتہ سال سنہ ۱۴۲۴ھ میں مکتبة الریاض سے دو جلدوں میں شائع ہوگئی ہے۔ مقدمہ یا تعارف، خلیل بن عثمان الجبور السبیعی کا ہے۔ دونوں جلدیں مجموعی طور پر 782 صفحات پر مشتمل ہیں۔

علامہ شیخ محمد عابد کی حضرت شاہ ولی اللہ سے کئی سندیں مشترک ہیں۔ شیخ کو بعض ان علما جن سے حضرت شاہ صاحبؒ نے استفادہ کیا اور ایسے علما کے متعدد شاگردوں سے تلمذ استفادہ اور اجازت ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے استاد اور شیخ الحدیث تھے۔ شاہ

www.rahimia.org

عبدالغنی مجددی (جو شاہ محمد اسحاق کے شاگرد ہیں) حضرت شیخ محمد عابد کے خاص شاگرد ہیں، شیخ عبدالستار دہلوی کو شاہ عبدالغنی سے تلمذ ہے۔

11۔ شاہ عبدالغنی اس کتاب کی تالیف سے ۴ر ربیع الاول ۱۲۵۵ھ کو مدینہ منورہ میں فارغ ہوئے تھے۔ اس نسخہ پر اس تالیف کا نام درج نہیں۔ اس کا واحد معلوم نسخہ جو شاہ عبدالغنی کے ایک شاگرد حافظ اسماعیل بن ادریس؟ نے سنہ ۱۲۹۳ھ میں نقل کیا ہے، ہمارے ذخیرے میں موجود ہے۔ "المورد الهنی" کے جس نسخہ پر شیخ عبدالستار نے مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی کو اجازت دی تھی، اس کا عکس مولانا زید صاحب نے راقم کو عنایت فرمایا تھا۔

12۔ حضرت شاہ ولی اللہ سفر حجاز کے لیے ۸ر ربیع الثانی ۱۱۴۳ھ (اکتوبر 1731ء) میں دہلی سے نکلے تھے۔ ۱۴ر رجب ۱۱۴۵ھ (جنوری 1733ء) کو دہلی واپس پہنچے۔ اس سفر کا شاہ محمد عاشق نے القول الجلی میں مفصل تذکرہ کیا ہے۔ ص38 تا 49۔
اس سفر کے لیے دہلی سے روانگی اور واپسی کے فقرات تاریخ خود حضرت شاہ ولی اللہ نے کہے تھے۔ ان کو شاہ اہل اللہ نے ایک قطعہ تاریخ میں جمع کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: القول الجلی، ص49، (عکس مخطوطہ کاکوری، فارسی، مطبوعہ دہلی: ۱۴۰۹ھ)
شاہ صاحب نے ۲۸ر رجب ۱۱۴۴ھ (جنوری 1732ء) کو شیخ ابوطاہر کے حضور صحیح بخاری کی قرأت ختم کی، یکم شعبان ۱۱۴۴ھ کو شیخ ابوطاہر نے حضرت شاہ صاحب کو اجازتِ حدیث سے نوازا۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: اتحاف النبیه، ص22/18۔

13۔ اربعین یا چہل حدیث شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کے فارسی، اردو، انگریزی وغیرہ میں کئی ترجمے ہوئے ہیں۔ اس کی شرحیں لکھی گئی ہیں اور متعدد علماء اور اہل نظر نے اس کی روایات کی تخریج و تحقیق بھی فرمائی ہے۔

14۔ مکتوب حضرت شاہ ولی اللہ بنام شاہ محمد عاشق پھلتی، مجموعہ مکتوبات مؤلفہ شاہ عبدالرحمٰن خلف شاہ محمد عاشق پھلتی۔ مکتوب 171، ورق 104، (عکس نسخہ مؤلف مملوکہ راقم سطور)

16,15۔ مکتوب حضرت شاہ ولی اللہ بنام شاہ محمد عاشق پھلتی، مجموعہ مکتوبات مؤلفہ شاہ عبدالرحمٰن خلف شاہ محمد عاشق پھلتی، مکتوب 171، ورق 104 (عکس نسخہ مؤلف)۔

17۔ ملاحظہ ہو: اتحاف النبیه ، (مابین، ص13,12)، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، شیش محل، لاہور، طبع جولائی 1969ء

18. اتحاف النبیه، ص: 83. مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، شیش محل، لاہور، طبع جولائی 1969ء

19. الانتباه فی سلاسل اولیاء الله، ص: 141,142، مطبع احمدی، دهلی: ۱۳۱۱ھ.

20. اتحاف النبیه، ص22. مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، شیش محل، لاہور، طبع جولائی 1969ء

22,21. اتحاف النبیه، ص22,20,17. مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، شیش محل، لاہور، طبع جولائی 1969ء

23. بستان المحدثین، ص100، مطبع گلزار محمدی، لاهور: بلاسنه.

24. معرفت علوم الحدیث، ص 33، حیدر آباد ۱۳۲۹ھ، شرحا الفیة العراقی، ص 288، دار الکتب العلمیة: بیروت.

25. الانتباه فی سلاسل اولیاء الله، ص142,141، مطبع احمدی، دهلی: ۱۳۱۱ھ.

26۔ مسلسل بالمشابکة نیز مناولة بالمسبحه کی روایات محدثین کے یہاں مسلسلات ہی میں درج ہیں، حصر الشارد میں دو روایتیں ہیں۔ حصر الشارد، ورق 224,223۔ مناولة بالمسبحة کی ایک روایت حصر الشارد ورق 23 پر درج ہے۔ نیز شاہ عبدالغنی کی مرویات میں بھی مسلسل بالمشابکة اور مناولة بالمسبحة دونوں مسلسلات میں شامل ہیں۔

www.rahnuma.org

27۔ مجموعہ رسائل حضرت شاہ ولی اللہ، ص: حاشیہ (نور الانوار آرہ: ۱۲۹۲ھ)

28۔ تمہید مسلسلات، ص (سہارنپور: غالباً ۱۳۵۷ھ)۔

29۔ یہ ایک خط کا اقتباس ہے، مکمل خط مکتوب شیخ محمد بن طاہر بن شیخ ابراہیم کردی (وفات: رمضان ۱۱۴۵ھ) کے عنوان سے بیاض (مکتوبات وافادات حضرت شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز وغیرہ) مرتبہ ومکتوبہ مولانا رشید الدین خاں دہلوی (وفات: محرم ۱۲۴۳ھ، شاگرد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ) میں درج ہے۔ مگر اس بیاض میں درج اس خط کا عنوان تصحیح طلب ہے۔ غالباً صحیح نام ''شیخ ابوطاہر، محمد بن ابراہیم کردی'' ہونا چاہیے .....علامہ شیخ ابوطاہر کے چار بیٹے تھے، چاروں کا نام محمد تھا۔

30۔ اس خط میں جس سند کا ذکر ہے، یہ غالباً وہ سند ہے جو شاہ صاحب نے سنن ابن ماجہ کی سندوں کے تحت نقل فرمائی ہے۔ اتحاف النبیہ، ص74۔

31۔ علامہ شیخ ابراہیم کردی مدنی کی تالیف: ''الامم لا یقاظ الھمم'' کے مطبوعہ نسخے میں شیخ زین العابدین بن عبدالقادر طبری سے اجازت کا دو موقعوں پر ذکر آیا ہے۔

32۔ تصانیف ملا عصام الدین (ابراہیم بن عرب شاہ) الاسفرائینی کے تحت ص 109 پر اور ''المسلسل بالمکیین'' کی سند میں ص 122 پر ملاحظہ: الامم (طبع اول: دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۲۸ھ) اس اشاعت کا عکس بعد میں بھی چھپا ہے لیکن ان طباعتوں میں شیخ بابلی کی اجازت وسند موجود نہیں!۔

33۔ بعد میں حضرت شاہ صاحب نے اس کو اسی طرح نقل فرمایا جس طرح شیخ محمد طاہر نے مذکورہ بالا مکتوب میں صراحت کی ہے۔ شاہ صاحب نے انسان العین فی مشائخ الحرمین میں لکھا ہے:

''..... بقشاشی ملاقات کرد، وے را بقشاشی وقشاشی را با دے خصوصیتی عجیب پیدا شد، و از وے حدیث روایت کردہ، وخرقہ پوشیدہ''۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین، ص7، مطبع احمدی، دہلی، بلاسنہ.....۔

34۔ علامہ سخاوی کے یہ الفاظ علامہ شیخ محمد عابد سندھی نے اپنی کتاب حصر الشارد میں نقل کیے ہیں: (عکس نسخہ محمودیہ، مدینہ منورہ، نقل نسخہ مصنف) ورق 246، الف۔

حصر الشارد کا یہ اقتباس فخر المتأخرین علامہ عبدالحئ فرنگی محلی نے ظفر الامانی بشرح مختصر المعانی میں بھی درج کیا ہے۔ بتحقیق علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ......(بیروت: ۱۴۱۶ھ)

35۔ الفضل المبین کے اختتام پر درج حضرت شاہ صاحب کی اس تحریر کا عکس نادر مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، اُردو ترجمہ از مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی کے مقدمہ میں بھی شامل ہے، یہ مقدمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی کا ہے مگر وہاں اس عبارت کی نقل کے پڑھنے میں کئی فروگزاشتیں ہوگئی ہیں:

ا۔ اول تو یہ لکھا ہے کہ ''صحیح بخاری کے ایک نسخہ پر حضرت شاہ ولی اللہ کے قلم سے شیخ محمد کے لیے یہ اجازت نامہ لکھا ہوا ہے'' (مقدمہ نادر مکتوبات، ص: 97، جلد اول، دہلی/ پھلت) حالاں کہ اس تحریر کا بخاری شریف اور اس کی اجازت سے کچھ تعلق نہیں۔ اگرچہ شیخ محمد بن محمد بلگرامی ثم الٰہ آبادی نے حضرت شاہ صاحب سے بخاری شریف پڑھی تھی اور ان کے مملوکہ نسخے پر حضرت شاہ صاحب کے قلم سے شیخ محمد کے لیے بخاری شریف کی سند واجازت نامہ بھی تحریر ہے اور بخاری شریف کا یہ نسخہ جس پر یہ اجازت نامہ درج ہے خدا بخش لائبریری میں موجود ہے، لیکن اس کے یہ الفاظ نہیں جو مقدمہ نادر مکتوبات میں نقل کیے گئے ہیں۔ یہ الفاظ مسلسلات خصوصاً الفضل المبین کے لیے تحریر فرمائے تھے، اس اجازت نامہ کے آخری الفاظ: ''کتب ھذہ السطور مؤلفھا الفقیر ولی اللہ'' اس کی کافی اور مکمل شہادت ہے کہ یہ الفاظ بخاری شریف کے لیے نہیں بلکہ حضرت شاہ ولی

www.rahimia.org

اللہ صاحب کی کسی تالیف کے لیے تحریر ہوئے ہیں۔

چونکہ مقدمہ نگار نے اس عبارت کو بخاری شریف کا اجازت نامہ سمجھ کر پڑھا ہے، اسی طرح سے لکھا ہے اور اسی پس منظر میں اس کا ترجمہ بھی کیا ہے، جس کی وجہ سے کئی غلطیاں مزید ہوگئی ہیں:

الف: حضرت شاہ صاحب نے لکھا جو راقم نے متن میں نقل بھی کیا ہے: علی ان فیھا بعض شیء من الخلل فی ضبط الاسماء لاسیما اسماء المغاربۃ، ناقل ومترجم نے المغاربۃ کو بخاری شریف کے خیال سے المغازی پڑھا اور یہی ترجمہ بھی کیا ہے۔ (خصوصاً مغازی کے ناموں میں) حالاں کہ حضرت شاہ ولی اللہ یا کسی اور بڑے محدث کو مغازی سے وابستہ ناموں کے ضبط میں متواتر غلطی ہونا اور اس کی تصحیح کا موقع نہ ملنا متوقع نہیں۔ مغاربہ (مغرب اقصیٰ، افریقہ) کے رواۃ اور محدثین کے نام چوں کہ قلیل الورود ہیں، اس لیے ان میں غلطی ہونا غیر ممکن نہیں۔

یہاں یہ عرض کردینا بھی مناسب ہوگا کہ اس مجموعہ مکتوبات میں اور بھی کئی طرح کی فروگزاشتیں رہ گئی ہیں، جس میں پہلی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے حصوں کی ترتیب اصلی قلمی نسخوں کے مطابق نہیں ہے۔ حصے آگے پیچھے ہوگئے ہیں، مکتوبات میں بھی اصل نسخہ کے اندراجات کی ترتیب جوں کی توں باقی نہیں رہی۔ نیز مکتوبات کا شمار بھی اصل فارسی نسخہ کے مطابق نہیں۔ متعدد اہم مکتوبات شامل ہی نہیں اور بعض ایسے خطوط جو اصل نسخہ میں درج نہیں تھے، متن میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ تفصیل انشاء اللہ آئندہ کسی وقت پیش کی جائے گی۔

36۔ نسخہ خدا بخش کی فوٹو اسٹیٹ کے لیے خدا بخش لائبریری کے سابق ڈائریکٹر جناب ضیاء الدین صاحب کا اور نسخہ کاکوری کے لیے خانقاہِ کاظمیہ کے نگران جناب شاہ مجتبیٰ حیدر صاحب اور ان کے صاحبزادے ڈاکٹر مسعود انور علوی صاحب کا نہایت ممنون ہوں۔ دلی شکریہ! جزاھم اللہ تعالیٰ۔

37۔ مندرجہ فہرست مخطوطات دارالعلوم دیوبند، مرتبہ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب (دیوبند: ۱۳۹۰ھ)۔

38۔ نسخہ، ص75، مندرجہ فہرست مخطوطات دیوبند، ص97، ج1۔

39۔ تمہید رسائل حضرت شاہ ولی اللہؒ (مجموعہ مسلسلات وتراجم بخاری)، نور الانوار، آرہ ۱۲۹۳ھ۔

40۔ مجموعہ مسلسلات وحل تراجم بخاری، حضرت شاہ ولی اللہ، حاشیہ، ص56، المسلسل بالتمر والماء (آرہ: ۱۲۹۲ھ)۔

41۔ آپ بیتی، ص154، حصہ اول، طبع اول، یحیوی، سہارنپور۔

42۔ فہرست تالیفات شیخ، ص312، جلد اول، طبع اول، سہارنپور: ۱۴۱۷ھ۔

www.rahimia.org

تاریخی دستاویز

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی زیرِ سرپرستی قائم جماعت

مرکزی حزب الانصار، رائے پور، ضلع سہارن پور

(تعارف، اَغراض و مقاصد اور دستورِ اساسی)

تحریر و ترتیب: مفتی عبدالخالق آزاد

www.rahimia.org

برعظیم پاک و ہند پر انگریز سامراج کے تسلط کے خلاف اور خطے کی آزادی و حریت کے لیے یوں تو اس برعظیم پاک و ہند میں بہت سی تحریکات اُبھریں، لیکن ان تمام تحریکات کے روح رواں اور ان کو صحیح خطوط پر قائم رکھ کر ان سے کام لینے والوں میں حضرات علمائے حق اور بزرگانِ دین کا بڑا بنیادی کردار رہا ہے۔ حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ سے لے کر سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت الامام حکیم الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور امامِ ربانی قطب صمدانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تک علمائے ربانیین کا ایک عظیم سلسلہ ہے۔ جس نے شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت کی بنیاد پر تعلیمِ کتاب و سنت، تزکیۂ قلوب و تصفیۂ باطن کے ساتھ ساتھ اس خطے میں آزادی و حریت کے حصول کی سیاست، اور اس میں عدل و انصاف کے قیام کی جدوجہد میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کا کردار

اس سلسلۂ عظیم کی ایک اہم کڑی سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور ہے۔ جس کے بانی قطب العالم حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ ہیں۔ جو سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ مجاز اور حضرت اقدس گنگوہیؒ کے جانشین تھے۔ اس سلسلۂ عالیہ کے دوسرے مسند نشین قطب الارشاد حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ ہیں۔ جو اپنے مشائخ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دینی تعلیمات کے پھیلاؤ کے لیے ہمہ وقت مصروفِ عمل رہے۔ خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے مسند نشین حضرات مشائخِ رائے پور کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت کے حامل ہیں۔ اور یہ اس سلسلۃ الذہب کا امتیازی وصف ہے۔

سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے ان مشائخ نے جہاں قرآن حکیم اور دینی تعلیمات کے پھیلاؤ کے لیے مکاتیب

قرآنیہ اور مدارسِ اسلامیہ کے قیام اور اس کی سرپرستی کا کام سرانجام دیا۔ وہاں تزکیۂ باطن اور انسانی قلوب میں تعلق مع اللہ کی جوت بھی جگائی ہے۔ اور انسانی قلوب کو صیقل کرنے اور ان میں اللہ کی محبت اور اس کا عشق پیدا کرنے کے لیے بڑی محنت کی ہے۔ اسی کے ساتھ اس خانقاہ کے مشائخ کی خصوصیات میں ہے کہ اس نے اس خطے میں بسنے والی مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیے آزادی و حریت کے حصول اور عدل و انصاف اور امن و امان کے قیام کے لیے دینی تربیت رکھنے والے رجالِ کار پیدا کرنے کا کام بھی کیا ہے۔ اور یوں معاشی عدل و مساوات، سیاسی امن و تحفظ اور نظریۂ عدل و انصاف پر تربیت کا ایک ایسا نظام قائم کیا، جو بلاشبہ تجدیدی کردار کا حامل ہے۔

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کا کردار

اس خطے کی آزادی کے لیے چلنے والی تحریکِ ریشمی رومال میں قطب عالم حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی جدوجہد سے کون واقف نہیں ہے۔ اس کی تفصیلات بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس خانقاہ کے دوسرے شیخ قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ نے اپنے دورِ خلافت (1919ء تا 1962ء) میں برصغیر پاک و ہند کی آزادی اور حریت کے لیے یہاں کی قومی جماعتوں کی سرپرستی کی۔ آزادی و حریت کے متوالے احرارِ اسلام کی رہنمائی فرمائی۔ اس سلسلے میں آپ کے سیاسی نظریے اور فکر و عمل کی اساس کیا ہے۔ اسے بیان کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا (شاہ) عبدالقادر صاحبؒ اپنے شیخ و مربی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہٗ کے نقشِ قدم پر تھے۔ حضرت عالی اپنے سیاسی خیالات، جذبۂ جہاد اور انگریز دشمنی میں حضرت شیخ الہند (محمود حسن) رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے۔ آپؒ کو بھی وصیت فرمائی تھی کہ: ''مولانا محمود حسن صاحبؒ کا ساتھ دیتے رہنا''۔ سیاسیات میں انہی سے رجوع اور مشورے کی ہدایت بھی فرمائی تھی۔
>
> جب تک حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حیات رہے۔ حضرت (رائے پوریؒ ثانی) اگرچہ عملی سیاسیات سے کنارہ کش اور رائے پور میں اپنے کام میں ہمہ تن مشغول و یکسو رہے۔ لیکن حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہی کو اپنا سیاسی مقتدا مانتے رہے اور مخصوص ذہنی و روحانی تربیت اور اپنی اُفتادِ طبع کی وجہ سے آپ کا ذہن و رُجحان اُس گروہ کے ساتھ رہا، جو ملک کی آزادی کے لیے کوشش کر رہا تھا۔ اور جس کے نزدیک اسلام کی وسعت، اشاعت اور اس کے اخلاقی غلبہ و تسخیر کے وسیع امکانات، آبادی کے مختلف عناصر میں باہمی اعتماد و اتحاد میں مضمر تھے۔ آپؒ کے نزدیک ہندوستان میں مسلمانوں کے بقا، ارتقا اور اسلام کی عزت و غلبے کا ایک ہی راستہ تھا۔ اور وہ یہ کہ مسلمان اس ملک میں اپنی صلاحیت و افادیت اور اپنے اَخلاقی اور روحانی تفوق کا نقش قائم کردیں۔ اور اپنے بے لوث و بے غرض محبت و خدمت، روحانی عظمت اور ذکر اللہ کی کثرت سے اپنے برادران اور ہندوستان کی قدیم آبادی کا (جو زمانۂ قدیم سے محبت و روحانیت کے تیر سے گھائل

ہونے والی ہے) دل جیت لیں اور محبوبیت واعتماد کا مقام حاصل کرلیں۔‘‘(1)

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے اپنے اس سیاسی مسلک کی بنیاد پر اپنے اعتماد یافتہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ کے ذریعے نوجوان نسل کی تربیت کے لیے 1937ء میں ایک جماعت اور تنظیم بھی تشکیل دی۔ جس نے نوجوانوں میں صحیح اور سچے نظریے کی آبیاری کی۔ صحیح سمت میں کام کرنے کا جذبہ بیدار کیا۔ اس جماعت کا نام ’’حزب الانصار‘‘ رکھا گیا۔ اس جماعت کے ابتدائی لوگوں میں خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے چوتھے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ بھی ہیں۔ آپ میں حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری کی ہی تربیت کے اثرات ہیں کہ آپ آج نوجوانوں میں اپنی تعلیمات کے جامع نظریے کے فروغ کے لیے کام کر رہے ہیں۔

آئندہ صفحات میں حضرت اقدس رائے پوری ثانیؒ کی زیرسرپرستی قائم اس جماعت کا تعارف، اس کے طبع شدہ اَغراض ومقاصد، اور اس کا دستورِ اساسی پیش کیا جا رہا ہے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ نوجوانوں میں کام کرنے کے بنیادی خطوط، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے خود طے کردیے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اس دور میں دینی تعلیمات کے فروغ کے لیے کام کرنے کے کن اغراض ومقاصد کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

حزب الانصار کا تعارف

ہندوستان میں ایک اہم صوبہ یو۔ پی ہے۔ اس کے ضلع سہارن پور میں ایک اہم قصبہ رائے پور ہے۔ یہ قصبہ خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کی وجہ سے اپنی ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یہ قصبہ تحریکِ ریشمی رومال کی سرپرستی کے مرکز ہونے کی وجہ سے تحریکِ آزادی میں بھی اہمیت کا حامل ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ نے بھی یہیں بیٹھ کر اس تحریک کی سرپرستی اور رہنمائی فرمائی تھی۔ اسی قصبہ رائے پور میں حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے ’’حزب الانصار‘‘ کی داغ بیل ڈالی۔ چناں چہ آپ نے اپنے معتمد خاص، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ کو 1935ء میں رائے پور میں مستقل قیام کے لیے ارشاد فرمایا اور پھر انہی کی اِمارت میں 1937ء میں ’’حزب الانصار‘‘ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس طرح حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی زیرنگرانی نوجوانوں کی علمی، فکری اور تنظیمی تربیت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

> ’’1937,38 میں جب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رائے پوری (نومسلم) نے حزب الانصار کے نام سے ایک سیاسی تبلیغی جماعت قائم کی، جس کے سیاسی مقاصد اور دستور العمل میں ملک کے لیے آزادیٔ کامل کے حصول کے لیے جدوجہد شامل تھی، تو آپ (حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ) نے اس کی سرپرستی فرمائی اور اس کے مطبوعہ دستور العمل میں آپ کا نام عرصے تک بحیثیت سرپرست کے موجود رہا۔‘‘(2)

www.rahimia.org

حزب الانصار کے پہلے امیر مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ تھے۔ حضرت اقدس رائے پوری ثانیؒ کو آپ پر پورا اعتماد تھا۔ آپؒ ان کے ساتھ انتہائی شفقت، محبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور ان کی ہر طرح سے سرپرستی کرتے تھے۔ آپ کو مولانا حبیب الرحمٰنؒ پر پورا اعتماد تھا۔ انھیں حضرت اقدس رائے پوریؒ کا خاص تقرب حاصل تھا۔ چناں چہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

''مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ کے ساتھ آپؒ کا معاملہ نہایت شفیق باپ اور بڑے چاہنے والے مربی کا تھا۔ ان کی دل جوئی، ان کے آرام و صحت کا خیال، ان کی ضروریات کا تکفّل، ان کی اولاد پر شفقت اور ان کی تعلیم و تربیت و معاش کی فکر، ان کی شادیوں کا اہتمام، غرض محبت کرنے والا باپ اور سرپرستِ خاندان جو برتاؤ اپنی محبوب اولاد اور افرادِ خاندان کے ساتھ کرتا ہے اور ان کے بارے میں اپنی ذمے داری محسوس کرتا ہے۔ وہی برتاؤ حضرتؒ کا ان کے ساتھ تھا۔ ......اگر کوئی ناواقف شخص حضرتؒ کا مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے ساتھ برتاؤ اور رائے پور میں حضرت کے یہاں ان کو جو خصوصیت، اعتماد اور تقرب حاصل تھا، دیکھتا، تو یہی سمجھتا کہ یہ یا تو حضرت کے فرزند ہیں، یا حقیقی بھتیجے بھانجے، حضرت کے ایما اور تعلق خصوصی کی بنا پر ہی وہ مولانا اشفاق احمد صاحبؒ کی وفات کے بعد مدرسہ (فیض ہدایت خانقاہِ رائے پور) کے متولی مقرر ہوئے۔'' (3)

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ کا تعارف کراتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندویؒ رقم طراز ہیں:

''مولانا حبیب الرحمٰن ایک معزز سکھ زمین دار گھرانے میں (1899ء میں) پیدا ہوئے۔ پرانا نام بلونیدر سنگھ تھا۔ قصبہ جنال (جو اَب ضلع سنگرور، ریاست پٹیالہ میں ہے) کے رہنے والے تھے۔ فرید کوٹ میں تعلیم پائی۔ وہیں 1919,20ء (صحیح یہ ہے کہ 1916ء میں۔ آزاد) مولانا محمد علی صاحب (نژہر شریف، ریاست جے پور) کی تلقین سے مسلمان ہوئے۔ 1924ء میں حضرت (اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ) سے بیعت ہوئے اور آنا جانا رہا۔ 1935ء میں ماہِ رمضان میں رائے پور مستقل قیام اختیار کیا۔ 1937,38 میں ''حزب الانصار'' قائم کی۔ جس کی سرپرستی حضرتؒ (رائے پوری ثانی) نے قبول فرمائی اور سرپرست کی حیثیت سے نام کے اعلان کی اجازت دی۔'' (4)

حزب الانصار کے پہلے امیر خود مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ تھے، اور ان کے بعد قصبہ رائے پور کے ایک نوجوان راؤ عبدالحمید خاں امیر منتخب ہوئے۔ دیگر اہم اراکین میں راؤ فضل الرحمٰن خاں، راؤ عبدالرشید خاں اور راؤ نعیم خاں وغیرہ تھے۔ اس کا مرکزی دفتر، قصبہ رائے پور کی مرکزی جامع مسجد کے قریب ایک مکان میں قائم کیا گیا تھا۔ اس جماعت کے کام کا طریقۂ کار اس کے ایک رکن حاجی راؤ فضل الرحمٰن کے بقول کچھ اس طرح سے تھا:

''حزب الانصار'' سے وابستہ نوجوانوں کو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اس کے اغراض و مقاصد کی تعلیم

وتربیت دیتے تھے۔ کچھ عرصے بعد ان نوجوانوں کی مختلف جماعتوں میں تشکیل کی جاتی تھی۔ یہ جماعتیں مختلف گاؤں اور علاقوں میں دورہ کرتی تھیں۔ اوران کی مساجد میں جاکر قیام کرتی تھیں۔ اورلوگوں کو دینی تعلیم وتربیت اورحزب الانصار کے مقاصد کی دعوت دیتی تھیں۔ بسااوقات ہم پہاڑی علاقے کا یہ سفر گھوڑوں پر کیا کرتے تھے۔ اس طرح دس دس بارہ بارہ دنوں کا تبلیغی سفر طے کیا جاتا تھا۔'' (5)

ان تبلیغی اَسفار میں حزب الانصار کی طرف سے نماز روزہ اور دین کی ابتدائی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان میں نظم و ضبط پیدا کیا جاتا تھا۔ اور ان میں آزادی وحریت کے حصول کے ساتھ عدل وانصاف کے قیام کے لیے جدوجہد کرنے کا نظریہ اور خدمتِ خلق کا جذبہ بیدار کیا جاتا تھا۔ چناں چہ یہی حاجی فضل الرحمٰن صاحبؒ فرماتے ہیں:

''ہماری جماعت ''حزب الانصار'' ایک سیاسی تبلیغی جماعت تھی۔ اور اس میں دینی تعلیم کے ساتھ آزادی وحریت کا جذبہ اور عدل وانصاف کے قیام کو اہمیت دی جاتی تھی۔'' (6)

حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہ کی معیت میں راقم سطور کو جب 1987ء میں خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور جانے کا موقع ملا تو اس وقت حزب الانصار کے ایک امیر راؤ عبدالحمید خاں تشریف رکھتے تھے۔ انھوں نے اس سلسلے کے بہت سے واقعات سنائے۔ اسی طرح انھوں نے یہ بھی بتلایا کہ ''حزب الانصار'' کے نام سے ایک جماعت بھیرہ ضلع سرگودھا میں بھی قائم ہوئی تھی اور ہم نے مولانا حبیب الرحمٰن کی معیت میں اس کے ایک اجلاسِ عام میں شرکت کی تھی۔ ان کا کہنا تھا:

''1940ء میں ہم نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ کی معیت میں سرگودھا کے قریب ''بھیرہ'' میں قائم ''حزب الانصار'' کے ایک اجلاس، منعقدہ 15,16,17 مارچ 1940ء، بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار میں شرکت کی تھی۔ اور اسی سفر میں ہم نے اس کے بعد لاہور میں مسلم لیگ کے اُس جلسے میں بھی شرکت کی تھی، جو 23 مارچ 1940ء کو منٹو پارک، لاہور میں ہوا تھا۔ جس میں قراردادِ لاہور (پاکستان) پیش کی گئی تھی۔ اس میں ہماری شرکت کا مقصد جلسے کے حالات کا جائزہ لینا تھا۔'' (7)

''حزب الانصار'' بھیرہ کے اس اجلاس کی کاروائی اس کے امیر مولانا ظہور احمد بگویؒ کے زیرِ ادارت شائع ہونے والے پندرہ روزہ جریدے ''شمس الاسلام'' میں چھپی تھی۔ جس میں اس اجلاس کی منعقدہ تواریخ اور شرکا کا تذکرہ کرتے ہوئے منشی نذر حسین کاتب دفتر ''حزب الانصار'' بھیرہ نے لکھا تھا:

''حسب الاعلان مؤرخہ 15,16,17 مارچ کو جامع مسجد بھیرہ کے کشادہ صحن میں حزب الانصار کی دسویں سالانہ کانفرنس کا انعقاد ہوا..... حسبِ ذیل علمائے کرام اور رہنمایانِ عظام نے اس کانفرنس میں تشریف لاکر کارکنانِ حزب الانصار کی حوصلہ افزائی فرمائی..... مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ (مجلس احرارِ اسلام)... مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ صدر حزب الانصار، رائے پور، ضلع سہارنپور ... مولانا لال

حسین اختر ...اور مولوی عبدالحمید رائے پوری۔'' (8)

''حزب الانصار'' بھیرہ کے اس اجلاس میں شرکت کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ فلسطینیوں پر مظالم کی تصویری داستان بیان کرنے والی کتاب ''فلسطین الشہیدہ'' کے ٹائٹل پیج پر اپنی ایک تحریر میں رقم طراز ہیں:

''حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نے انگریزی راج میں —— جب ہندوستان میں اس کتاب کی تقسیم پر سرکار نے رُکاوٹ کھڑی کر رکھی تھی —— یہ کتاب حاصل کر کے اس کی کئی جلدیں انگریزی حکومت کے خلاف خاص طور پر مسلمانوں میں تقسیم کیں۔ اور خفیہ طور پر بہت سے لوگوں کو یہ کتاب دکھائی اور ان تک پہنچائی۔ جب کہ یہ کتاب شائع کرنا اور اس کو اپنے ساتھ رکھنا، سخت خلافِ قانون تھا۔ جس پر سخت سزا دی جایا کرتی تھی۔ اُحقر کو بھی یہ تحفہ حضرت اقدس رائے پوری نے پنجاب میں پھیلانے کے لیے ایک درجن عنایت فرمایا تھا۔ راؤ عبدالحمید خاں و راؤ عبدالرشید خاں رائے پوری نے اُحقر حبیب الرحمٰن کے ساتھ ''حزب الانصار'' بھیرہ کے جلسہ میں جا کر بھی یہ کتاب تقسیم کی اور جب اس کتاب کی کچھ جلدیں سندھ پار سرحدی علاقہ اور افغانستان میں پہنچیں تو اور بھی اس (کتاب) کا مطالبہ کیا گیا جو پورا نہ کیا جاسکا، کہ گنجائش نہ تھی۔'' (9)

یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ اور اس کا پورا نام ''**فلسطین الشهیدة سجلّ مصوّر لبعض فظائع الانكليز و اليهـــــود ١٩٢١ _ ١٩٣٨**'' یہ کتاب 84 صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں 1921ء سے 1938ء تک فلسطینیوں پر ہونے والے مظالم کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ پوری کتاب میں فلسطینیوں پر ہونے والے مظالم کی تصاویر شائع کی گئی ہیں۔ اور اس عرصے کے دوران ہونے والے مظالم کی تفصیل ہے۔

''حزب الانصار'' رائے پور نے انگریزوں کے فلسطینیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے یہ کتاب بڑی تعداد میں لوگوں میں تقسیم کی۔ اور اس سلسلے میں ان میں سیاسی شعور بیدار کرنے کے لیے بڑی محنت کی تھی۔ اور اس تمام کام کی سرپرستی حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ نے فرمائی تھی۔

راؤ عبدالحمید خان رائے پوری امیر ''حزب الانصار'' رائے پور سے ہمیں ''حزب الانصار'' کا مطبوعہ ''دستورِ اساسی'' اور سوال و جواب کی صورت میں اس کے اَغراض و مقاصد کا ایک فارم دستیاب ہوا تھا۔ اس دستورِ اساسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ''حزب الانصار'' کی طرف سے اراکین کے عملی کام کرنے کے لیے ایک ''دستورُ العمل'' بھی مرتب کر کے شائع کیا گیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ دستور العمل ہمیں دستیاب نہ ہوسکا۔ آئندہ صفحات میں ''حزب الانصار'' کا مطبوعہ ''دستورِ اساسی'' اور سوال و جواب کی صورت میں اس کے اغراض و مقاصد کو پیش کیا جا رہا ہے۔ اس دستاویز کی اہمیت کی بنا پر دستورِ اساسی کا عکس بھی آخر میں بطورِ ضمیمہ شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ

حزب الانصار کا دستورِ اساسی

یعنی نوعِ انسانی کی بھلائی کے لیے نیکی کو دنیا میں غالب کرنے کا واحد لائحۂ عمل

www.rahimia.org

1۔ نام جماعت:

حزب الانصار۔

2۔ اَغراض:

خدا کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے خود نیک اور آپس میں ایک ہو کر نیکی کو دنیا میں غالب کرنا۔

3۔ جماعتی مسلمات:

ا۔ انسانی پیدائش کے متعلق خدا کی مرضی یہ ہے کہ انسان دنیا اور آخرت میں بہتری حاصل کرے۔

۲۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مناسبِ حال و مفیدِ خلائق طور طریقے اختیار کرنا اور نامناسب اور مضر طور طریقے چھوڑنا ہی خدا کو پسند ہے اور نیکی کہلاتا ہے۔

۳۔ نیکی کا علم، کلامِ الٰہی کو سمجھنے سمجھانے اور خداداد عقل و حکمت کو کام میں لانے سے حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ نیکی کا غلبہ عبارت ہے:

☆ پریشانی اور ظلم کی زیادتی اور عذاب کے کاموں سے بچنے میں مشکلات پیدا کرنے والے ماحول کی پستی سے۔

☆ اور اَمن و انصاف کی حکومت اور نجات حاصل کرنے میں آسانیاں پیدا کرنے والے ماحول کے غلبے سے۔ جو نوعِ انسان کے لیے اپنے فطری مقاصد کی تکمیل میں تسہیل (سہولت) کا موجب ہے۔

۵۔ دنیا بھر میں نیکی کو غالب کرنے میں، دنیا کی زیادہ سے زیادہ قوموں اور ملکوں کا تعاون حاصل کرنے اور

ان کو اپنے ہاں نیکی کے غالب کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے ملک اور اپنی قوم میں نیکی کو غالب کرنا ضروری ہے۔ جس کا واحد طریقہ اپنے ملک کو کامل آزادی دلا کر اپنی قوم کے لیے اسلامی قانون کی حکومت قائم کرنا ہے۔

٦۔ ایسے نیک انقلابی اقدام کے لیے بارہ ہزار ایسے انسان درکار ہیں جو قرآنی معیار پر حتی الوسع نیک اور ایک ہو کر نیکی کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو ہمہ تن تیار ہوں۔

٧۔ مذکورہ بالا تعداد کا حصول چنداں مشکل نہیں، کیوں کہ ہم میں لاکھوں کروڑوں سلیم الفطرت انسان خدا کی مقدس بادشاہت کے اچھے اور سچے سپاہی بننے کے دل و جان سے آرزومند ہیں۔ بشرطیکہ ان کے لیے کلامِ الٰہی اور سنتِ نبویؐ کے مطابق صحیح اور عملی تربیت کے اجتماعی نظام کا قیام ہو جو نوعِ انسان کے بالغ نظر افراد پر اَھَمُّ الواجبات (بنیادی لوازمات میں) سے ہے۔

4۔ مقاصد:

ا۔ جماعتی اَغراض کو مذکورہ بالا مسلمات کی روشنی میں علمی طور پر حل کرنے کے لیے کلامِ الٰہی اور حکمت خداوندی کے سمجھنے سمجھانے کی اجتماعی جدوجہد کرنا۔

٢۔ جماعتی اَغراض کو مذکورہ بالا مسلمات کی روشنی میں عملی طور پر حل کرنے کے لیے علم و حکمت کے مطابق صحیح اور عملی تربیت کے اجتماعی نظام کا قیام و بقا۔

٣۔ اس نظام کو دور تک پھیلانے اور دیر تک چلانے کے سلسلے میں پیش آنے والے مسائل کو حل کرنا اور ضروری وسائل کا اہتمام۔

5۔ شرائطِ رُکنیت:

ہر انسان جو ''حزب الانصار'' کے اَغراض و مقاصد اور جماعتی مسلمات سے کامل اتفاق رکھتا ہو اور بلا چون و چرا امیر جماعت کا ہر جائز حکم ماننے کا عہد کرے، جماعت کی رُکنیت کی چہار اَقسام میں سے، جو قسم اس کے مناسبِ حال ہو، اُس میں شامل کیا جانے پر ''رُکن'' شمار ہوگا۔

6۔ اقسامِ رُکنیت:

ا۔ جو انسان جملہ شرائطِ رُکنیت پوری کرے اور ایسی جماعتی زندگی بسر کرنے کی تربیت حاصل کرنا قبول کرے، گویا وہ میدانِ جنگ کا سپاہی ہے جو تربیت کی مشقوں میں ہمہ تن مصروف رہنے اور محاذِ جنگ پر جانے کو ہر دم تیار ہو ''مجاہد'' شمار کیا جائے۔

٢۔ جو انسان جملہ شرائطِ رُکنیت پوری کرے اور مجاہدانہ زندگی کی تربیت حاصل نہ کرنے کی کوئی قابلِ تسلیم وجہ

www.rahimia.org

بیان کرے اور ایسی جماعتی زندگی بسر کرنے کی تربیت حاصل کرنا قبول کرے۔ گویا وہ ''محفوظ'' سپاہی ہے۔ جو عام حالات میں تربیت کی سرسری مشق جاری رکھنے اور خاص حالات میں حکم پاتے ہی مجاہدانہ قواعد سے شریکِ عمل ہونے کو ہر دَم تیار رہے ''قاعد'' شمار کیا جائے۔

۳۔ جو انسان جملہ شرائطِ رُکنیت پوری کرے اور مجاہدانہ و قاعدانہ زندگی کی جسمانی تربیت میں کسی جسمانی ضرر کی بنا پر شریک ہونے سے معذور ہو اور ایسی جماعتی زندگی بسر کرنے کی تربیت حاصل کرنا قبول کرے جو جماعتی وفاداری خیرخواہی اور پوری معاونت کے شایانِ شان ہے ''معاون'' شمار کیا جائے۔

۴۔ جو انسان جملہ شرائطِ رُکنیت پوری کرے اور مجاہدانہ و قاعدانہ زندگی کی جسمانی تربیت میں شریک نہ ہونے کا جسمانی ضرر کے علاوہ کوئی اور قابلِ تسلیم عذر بیان کرے اور ایسی زندگی بسر کرنے کی تربیت حاصل کرنا قبول کرے جو جماعتی وفاداری خیرخواہی اور ایسی امکانی جدوجہد کے شایانِ شان ہو جو اُسے قاعدانہ یا مجاہدانہ زندگی کی تربیت حاصل کرنے کا اہل بنانے والی ہے ''معذور'' شمار کیا جائے۔

7۔ اِمارت:

ملک کی کامل آزادی سے پیشتر جامع الشروط امارت کا انعقاد شرعاً مفقود ہے۔ لہٰذا تنظیم و تربیت اور انقلابی جدوجہد کے پیشِ نظر، اَندریں حالات مشابہ بہ امارت صورت اختیار کی جاتی ہے۔ جس میں امارت کی ہیئت، انتخابی قواعد اور امیر کے اختیارات حسبِ ذیل ہیں:

8۔ اِمارت کی ہیئت:

ا۔ جماعتی نظم و نسق کے قیام و بقا، نصابِ تربیت کی تجویز و تدوین اور انقلابی جدوجہد کی ذمہ دارانہ قیادت و رہنمائی کے پیشِ نظر امیر جماعت پر کلی اعتماد کرتے ہوئے صرف چند پابندیوں کے ساتھ ــــ جو محض انسانی تجرباتی کم زوریوں کو رَفع کرنے کے لیے ضروری خیال کی گئی ہیں ــــ امیر جماعت کو ''حزب الانصار'' کا ڈکٹیٹر قرار دیا گیا۔ جو دستورِ اساسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر امر کی تجویز و تدوین، ترمیم و تنسیخ اور تغیر و تبدل کا مختار ہے۔

۲۔ امیر جماعت امارت قبول کرتے وقت خدا کو حاضر و ناظر جان کر جماعتی اَغراض و مقاصد اور جماعتی مسلمات کے کامل احترام اور پابندی کا حلف اُٹھائے۔

۳۔ امیر جماعت کو اپنے زمانۂ امارت میں زندگی کے فرائضِ منصبی میں رُکاوٹ ڈالنے والے مشاغل، نیز دوسری تمام جماعتوں کی رُکنیت سے علیحدگی اختیار کر کے بلاطلبِ اُجرت جماعتی خدمت ادا کرنا ہے۔

۴۔ امیر جماعت ماہِ ربیع الاول سے شعبان تک کے چھ ماہ میں کسی ایسی مجبوری سے ــــ جو اُس کی مجلس شوریٰ

کی اکثریت کے نزدیک قابلِ تسلیم ہو — زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کی مسلسل یا متفرق رُخصت لے سکتا ہے۔

۵۔ امیر جماعت کو فرائض منصبی سے باز رکھنے والی کسی عارضی بیماری کی وجہ سے اگر ایک ماہ سے زیادہ رُخصت مطلوب ہو تو قائم مقام امیر دستورِ اساسی کے انتخابی قواعد کو معیاد کے اعتبار سے مختصر کر کے صرف ایک ماہ میں نیا امیر منتخب کرنے کا پابند ہے، بشرطیکہ ایسی صورت ماہِ جمادی الاول گزرنے سے پہلے پیش آئے، ورنہ وہ تا اختتامِ سال مستقل امیر متصور ہو۔

۶۔ اگر امیر جماعت کا اُچانک انتقال ہو جائے تو اس کی مجلس شوریٰ کا وزیر قائم مقام اُمیر قرار پا کر دفعہ 8 کی شق 5 کی تعمیل کا پابند ہے۔

۷۔ پہلے سال یعنی ۱۳۵۸ھ (1939ء) کا امیر، تحریک کا مجوز (تجویز کنندہ) قرار پایا ہے۔

جو **حضرت مولوی شاہ عبدالقادر صاحب** (رائے پوری) کی سرپرستی میں محرم ۱۳۵۹ھ تک یہ خدمت بجالائے۔

9۔ انتخابی قواعد:

۱۔ انتخابِ امیر میں ہر مجاہد کو چار، معاون کو تین، قاعد کو دو رائیں اور معذور کو ایک رائے دینے کا حق حاصل ہے۔

۲۔ جو شخص تاریخِ انتخاب کے آغاز سے کامل نو ماہ پیشتر کسی ملحقہ جماعت ''حزب الانصار'' میں شامل ہو چکا ہو اور اُسے اپنی مقامی جماعت کے مجاز اُفسر سے فرائض رُکنیت کی ادائیگی کی مصدقہ سند حاصل ہو، انتخابِ امیر میں رائے دینے کا مستحق ہے۔

۳۔ امیر جماعت رائے دہی کے مستحق مجاہدین میں جن اُراکین کو آئندہ سال کی امارت کے لائق سمجھے، اُن میں سے مناسب تعداد کے نام عیدالفطر کے دن تمام جماعتوں میں مشتہر کر دے۔

۴۔ اگر کسی مقامی جماعت کی اکثریت رائے دہندگی کا حق رکھنے والے کسی مجاہد کو آئندہ سال کی امارت کے لیے موزوں سمجھتی ہے اور اس کا نام امیر جماعت کے طرف سے مشتہر نہیں ہوا، تو اس شخص سے منظوری حاصل کر کے وہ جماعت اپنے مقامی عامل کی وساطت سے ۲/ ذی قعدہ تک صدر دفتر میں درخواست بھیج سکتی ہے کہ فلاں مجاہد کا نام امیر منتخب کیے جانے والے اراکین کی فہرست میں شامل کیا جائے۔

۵۔ صدر دفتر ۱۰/ ذی قعدہ تک، دفعہ 9 کی شق 4 کے مطابق آئے ہوئے جائز ناموں اور موجودہ امیر کے نام کو گشتی چٹھی کے ذریعے بغرضِ استصوابِ رائے جملہ ماتحت جماعتوں کے پاس بھیج دے۔ اور امیر جماعت اُن نامزدگان کی فہرست، جن کی تائید میں یکم ذی الحج تک پچاس فیصدی جائز رائیں موصول

ہو جائیں، بشمول پہلی فہرست کے عید الاضحیٰ کے دن جملہ ماتحت جماعتوں میں مشتہر کردے۔

۶۔ انتخاب کا کام ۱۴؍ذی الحج سے شروع ہو، ۲۱؍ذی الحج تک اس کے نتائج مشتہر کردیے جائیں، اگر ۲۵؍ذی الحج تک صدر دفتر کو کوئی انتخابی فروگزاشت موصول ہو تو ۳؍محرم تک امیر جماعت سے اُس کا فیصلہ کرا کے نئے امیر کا نام مشتہر کردے اور سات محرم تک نئے امیر کو باقاعدہ اطلاع بھیج دے کہ ۱۱؍محرم سے آخر ماہ تک وہ پہلے امیر کو سبکدوش کردے، نیا امیر پہلے کو سبکدوش کرنے کے لیے جس دن کی اطلاع دے، صدر دفتر مجلس شوریٰ اور ان لوگوں کو جو اِمارت کے لیے نامزد ہوئے تھے، تبدیلِ امارت کے جلسے میں لازماً شریک کرنے کا اہتمام کرے۔

۷۔ ہر انتخابی نزاع میں موجودہ امیر کا فیصلہ قطعی ہے۔

۸۔ کسی انتخابی نزاع کا اثر اگر موجودہ امیر کے آئندہ انتخاب پر پڑتا ہو تو اُس کا فیصلہ کثرتِ رائے سے امیر جماعت کی مجلس شوریٰ کرے، جس میں امیر شریک نہ ہو۔

10۔ امیر جماعت کے اختیارات:

۱۔ امیر جماعت کو تاریخ تقرری سے سبکدوشی تک دستورِ اساسی کے سوا ہر امر میں جائز ترمیم و تنسیخ، تغیر و تبدل اور اضافہ کرنے کا کلی اختیار ہے۔

۲۔ امیر جماعت اَراکین جماعت میں سے جس کو چاہے، اپنی مجلس شوریٰ میں شامل کرنے کے لیے نامزد کردے، برطرف کرنے، بدلنے یا تعدادِ معین تک اضافہ کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے۔

۳۔ امیر جماعت اپنی مجلس شوریٰ میں تین سے پندرہ تک اراکین شامل کرسکتا ہے۔

۴۔ امیر جماعت اپنی مجلس شوریٰ کے مجاہد اراکین میں سے جس کو جس وقت تک چاہے اپنا وزیر مقرر کرنے کا پابند ہے۔

۵۔ امیر جماعت اپنے اختیار سے جو نیا اقدام کرنا چاہے، اُس کی اطلاع اپنی مجلس شوریٰ کو دینے کا پابند ہے۔

۶۔ جس اَمر کو مجلس شوریٰ کی اکثریت اہم قرار دے یا جس کام کے متعلق امیر مجلس شوریٰ سے مشورہ طلب کرے، اُس میں مجلس شوریٰ پوری آزادی سے مشورہ دے سکتی ہے۔

۷۔ امیر جماعت مجلس شوریٰ کے مشوروں کے ردّ و قبول اور ترجیح دینے کا مختار ہے، کسی کو اعتراض و اظہارِ انقباض کا حق حاصل نہیں۔

۸۔ وہ مشورے جو مجلس شوریٰ نے متفق الرائے ہو کر پیش کیے ہیں، امیر جماعت اپنی ذاتی رائے سے رد کر کے اُن کے خلاف حکم نافذ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، لیکن ضرورت سمجھے تو اتنے اور ویسے ہی اَراکین کی دوسری مجلس طلب کر کے اُس معاملے پر دوبارہ غور کرسکتا ہے، اگر دوسری مجلس کی اکثریت بھی پہلی مجلس کی رائے

سے متفق ہو تو امیر جماعت اپنی ذاتی رائے سے اس قرارداد کو ردّ کر کے اُس کے خلاف حکم نافذ نہیں کرسکتا، اور نہ اس امر پر سہ بارہ غور کرنے کے لیے تیسری مجلس طلب کرسکتا ہے۔

۹۔ امیر جماعت مجلس شوریٰ قائم کیے بغیر ہر نئے اقدام کے لیے معطل کا حکم رکھتا ہے، اور ایک دن سے زیادہ مدت تک ایسی صورت قائم رکھنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

۱۱۔ امیر جماعت دستورِ اساسی میں کسی ترمیم، تنسیخ یا اضافے کی ضرورت سمجھے اور مجلس شوریٰ کی اکثریت بھی اس کی تائید کرے تو تمام ماتحت جماعتوں کو گشتی چٹھی جاری کی جاسکتی ہے، اگر اس عمل کی تائید میں رائے دہندگی کے حق دار اَراکین کی بقدر اِکاون فی صد رائیں موصول ہوجائیں تو یہ ترمیم، تنسیخ یا اضافہ جائز قرار پائے۔

۱۱۔ اگر کسی ناگہانی حادثے سے امیر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کا اہل نہ رہے تو اس کا وزیر تاانتخابِ ثانی عارضی امیر متصور ہو، جسے انتخاب میں رُکاوٹ ڈالنے کے سوا امارت کے جملہ اختیارات حاصل ہیں۔

۱۲۔ امیر و وزیر دونوں بیک وقت کسی ناگہانی حادثے سے اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے اہل نہ رہیں تو مجلس شوریٰ کثرتِ رائے سے رائے دہندگی کے حق دار مجاہد اَراکین شوریٰ میں سے کسی کو وزیر منتخب کرلے جو عارضی امیر قرار پاکر اپنا وزیر خود نامزد کرے۔

۱۳۔ امیر جماعت کی مجلس شوریٰ کا 3/4 حصہ باقرارِ صالح اپنے امیر کو "کفرِ بواح" کا مرتکب یا دستورِ اساسی کی روح سے مخالف قرار دے، تو امیر جماعت معزول قرار پائے اور دفعہ ہذا کی شق 11 کے مطابق نئے امیر کا تقرر عمل میں آئے۔

۱۴۔ اپنی ذات کے سوا ہر امرِ متنازع میں امیر جماعت کا فیصلہ قطعی ہے۔

۱۵۔ امیر جماعت کے متعلق نزاع میں مجلس شوریٰ کی اکثریت کا فیصلہ ناطق ہے، بشرطیکہ امیر اُس کے رَفع کرنے کی اَحسن تدبیر میں ناکام یا سست رہے۔

منجانب: مرکزی حزب الانصار، رائے پور، ضلع سہارنپور

حزب الانصار کی جانب سے سوال و جواب کی صورت میں اپنے اَغراض و مقاصد کو عام فہم انداز میں سمجھانے کے لیے درجِ ذیل ایک ورق شائع کیا گیا:

سوال و جواب کے پیرائے میں

حزبُ الانصار کے اَغراض و مقاصد اور جماعتی مسلمات کا ماحصل (خلاصہ)

(۱) سوال: آپ کی جماعت کا نام کیا ہے؟

جواب: حزب الانصار۔

(۲) سوال: حزب الانصار سے کیا مراد ہے؟

جواب: نیکی کے مددگاروں کا لشکر۔

(۳) سوال: نیکی کیا ہے؟

جواب: جس کام سے خدا راضی ہو۔

(۴) سوال: خدا کی رَضا مندی کا علم کیسے ہو؟

جواب: کلامِ الٰہی کو سمجھنے سمجھانے اور عقل و حکمت کو کام میں لانے سے۔

(۵) سوال: جماعت بنانے سے آپ کی غرض کیا ہے؟

جواب: خدا کو راضی کرنے کے لیے جہاں تک ہو، نیک اور آپس میں ایک ہو کر نیکی کو دنیا میں غالب کرنا۔

(۶) سوال: نیکی کے غلبے سے کیا مراد ہے؟

جواب: امن و انصاف کی عالم گیر حکومت جو نجات حاصل کرنے میں آسانی پیدا کرے۔

(۷) سوال: ایسی حکومت کیوں ضروری ہے؟

جواب: کیوں کہ وہ انسانی پیدائش کے متعلق خدا کی مرضی پوری کرنے میں سازگار ہوتی ہے۔

(۸) سوال: انسانی پیدائش کے متعلق خدا کی مرضی کیا ہے؟

جواب: یہی کہ انسان دنیا اور آخرت میں بہتری حاصل کرلے اور عذاب سے بچے۔

(۹) سوال: نیکی کے غلبے کے بغیر انسان کا نقصان کیا ہے؟

جواب: اس کے بغیر انسان کا پریشانی، ظلم کی زیادتی اور عذاب کے کاموں سے بچنا مشکل ہے۔

(۱۰) سوال: نیکی کو غالب کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: اس کا ایک ہی طریقہ اپنے ملک کو کامل آزادی دلا کر اپنی قوم کے لیے اسلامی قانون کی حکومت قائم کرنا ہے۔

(۱۱) سوال: ملک کو کامل آزادی کیوں ضروری ہے؟

جواب: کیوں کہ کامل آزادی کے بغیر ہم اپنی مرضی سے ملک میں کوئی نیک تبدیلی نہیں کر سکتے۔

(۱۲) سوال: اسلامی قانون کی حکومت کیوں ضروری ہے؟

جواب: کیوں کہ دنیا اور آخرت کی بہتری حاصل کرنے اور عذاب سے بچنے کے لیے اسلامی قانون کی حکومت سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں۔

(۱۳) سوال: ایسی آزادی اور حکومت سے دوسرے ملکوں اور قوموں کو کیا نفع ہوگا؟

جواب: اس کے اثر سے سارے ملکوں اور قوموں کے سمجھ دار لوگ اپنے ہاں نیکی کو غالب کرنے کے لیے از خود آمادہ ہو جائیں گے۔

(۱۴) سوال: ایسے نیک انقلابی اقدام کے لیے کتنی اور کیسی قوت درکار ہے؟

جواب: بارہ ہزار انسان جو قرآنی معیار پر نیکی کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے ہمہ تن تیار ہوں۔

(۱۵) سوال: اتنے اور ایسے انسان کیسے ملیں گے؟

جواب: ہم میں لاکھوں اس کے پہلے سے آرزومند ہیں، مگر مناسب تربیت کی اَشد ضرورت ہے۔

(۱۶) سوال: مناسب تربیت سے آپ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: نیکی کو سمجھنے، سمجھانے، عمل میں لانے اور جماعتی زندگی کو مضبوط اور کامیاب بنانے کے لیے خالص اسلامی جذبے سے جان و مال قربان کرنے کی عادت ڈالنا۔

(۱۷) سوال: ایسی تربیت کی عملی صورت کیا ہے؟

جواب: صحیح اور عملی مقصد رکھنے والی جماعت حزب الانصار میں شامل ہو کر اُس کے نصابِ تربیت پر عبور حاصل کرنے کی جان توڑ جدوجہد کرنا۔

(۱۸) سوال: حزب الانصار میں کون شامل ہو سکتا ہے؟

جواب: ہر شخص جو حزب الانصار کے اَغراض و مقاصد اور جماعتی مسلمات سے کامل اتفاق رکھتا ہو اور منتخب شدہ امیر جماعت کا ہر جائز حکم ماننے کا عہد کرے، امیر جماعت کی منظوری سے حزب الانصار میں شامل ہو سکتا ہے۔

(۱۹) سوال: حزب الانصار کا نصابِ تربیت اور طریقِ انتخاب کیا ہے؟

جواب: اس کے لیے حزب الانصار کا دستورِ اساسی اور نیا دستور العمل پڑھیں!۔

منجانب: صدر دفتر مرکزی حزب الانصار، رائے پور، ضلع سہارنپور، یو۔ پی

نوٹ: حزب الانصار کا دستورِ اساسی اور نیا دستورُ العمل ڈیڑھ آنہ کے ٹکٹ روانہ فرما کر منگالیں۔

www.rahmia.org

حوالہ جات

1۔ ندوی، ابوالحسن علی، سید مولانا، سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، ص144,45، طبع مکتبہ رشیدیہ، 32/A شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

2۔ ایضاً۔

3۔ سوانح حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص267,266، طبع مکتبہ رشیدیہ، 32/A شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

4۔ ایضاً۔

5۔ روایت حاجی فضل الرحمٰن رائے پوری از قلمی ڈائری راقم سطور، 1987ء۔

6۔ ایضاً۔

7۔ روایت راؤ عبدالحمید خان رائے پوری از قلمی ڈائری راقم سطور، 1987۔

8۔ پندرہ روزہ جریدہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ، اشاعت یکم اپریل 1940ء، جلد نمبر 11، شمارہ نمبر 21,22، مدیر: ظہور احمد بگوی۔

9۔ ٹائٹل پیج کتاب ''فلسطین الشہیدۃ'' از کتب خانہ مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ۔

www.rahimia.org

تعلیم و تربیت

ہمارا نصابِ تعلیم اور جدید تقاضے

مولانا اللہ یار صاحب (مرحوم)، گوجرانوالہ

برصغیر میں ہمارے نصابِ تعلیم کا آخری دور وہ ہے جو بارہویں صدی میں ملا نظام الدین سہالویؒ کے نام سے منسوب ہوکر درسِ نظامی کہلایا، اور اس وقت سے آج تک تمام مدارس میں رائج ہے۔ ملا نظام الدین سہالویؒ سلطان اورنگزیب عالمگیرؒ کے عہد کے ایک نامور ماہر تعلیم، جید عالم دین اور مانے ہوئے بزرگ ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے لئے عالمگیرؒ نے وقت کے جید علماء کرام کا بورڈ قائم کیا تھا، جو تقریباً پانچ صد علما پر مشتمل تھا، ان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیمؒ اور ملا نظام الدین سہالویؒ سرفہرست تھے۔

موجودہ نصاب جو ہمارے دینی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے، اُس وقت یہ اعلیٰ تعلیم کا نصاب تھا، چنانچہ اس کے پڑھانے سے پہلے ابتدائی (پرائمری) تعلیم کا نصاب علاحدہ تھا، جو اُس وقت تمام مکاتب و مدارس میں رائج اور قصبات و دیہات تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں ناظرہ قرآن پاک اور حفظ کے بعد اردو لکھنا پڑھنا، فارسی زبان اور حساب وغیرہ پر زور دیا جاتا تھا۔ پھر فارسی ادب اور اخلاقیات کریما، پندنامہ، گلستان، بوستان سعدی، اخلاقِ محسنی، اخلاقِ جلالی، رقعاتِ عالمگیری اور مالابدمنہ فارسی وغیرہ کی ایسی کتب پڑھائی جاتی تھیں، ان سے بچہ ضروریاتِ دین اور اسلامی اخلاق وتہذیب سے اچھی طرح واقف ہوجاتا تھا اور حساب و مضمون نویسی میں اس درجہ کو پہنچ جاتا تھا کہ اس کو (خواندہ) پڑھا لکھا کہا جاسکے۔

ابتدائی نصاب پڑھنے کے بعد درسِ نظامی کا آغاز کیا جاتا تھا۔ جس کی تکمیل کے بعد اس کے فاضل جس طرح علومِ دینیہ کے ماہر ہوتے تھے، اسی طرح دفتری ضروریات اور ملکی خدمات انجام دینے اور امورِ مملکت چلانے میں بھی ماہر سمجھے جاتے تھے اور خاص فنون میں مہارت کے لئے مطلوبہ کتب حسب ضرورت شامل نصاب تھیں، درسِ نظامی کی تدوین سے قبل بھی ایک جامع ومشترکہ نصابِ تعلیم تھا، اس وقت علوم دینیہ اور علوم دنیوی میں کوئی تفریق نہ تھی، نہ ہی آج کل کی طرح طبقاتی نظامِ تعلیم کے تحت درسگاہیں علاحدہ علاحدہ تھیں، یعنی مروجہ تفریق جو مدارس اور سکول و کالج کے درمیان ہے قطعاً نہ تھی، نہ صرف اسی ملک (متحدہ ہندوستان) میں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی یہ نصاب مقبول ہوا کہ اس کے پڑھنے والے علما وفضلا عوام کی دینی رہنمائی اور ملکی معاملات چلانے میں یکتا تھے۔ ہزاروں علما،

صلحا، اتقیا، محدثین، مفسرین، فقہا، اُدبا، ماہر معقولات، مہندسین وزرا اور سپہ سالار اسی سے پیدا ہوئے۔

سلطان محمد تغلقؒ کے دور میں اس طرح کے مدارس صرف دہلی میں تقریباً ایک ہزار تھے اور انگریز عہد کی ابتدا میں بھی یہی صورتحال چلتی رہی۔ مگر 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد فرنگی استبداد کی وجہ سے تمام اسلامی شعائر مجروح، مدارس معطل اور علما منتشر ہوگئے۔ مسلمانوں کا صدیوں سے رائج سارا نظامِ تعلیم درہم برہم ہوگیا۔ اس کے بعد انگریزی نصابِ تعلیم پورے ملک میں رائج کردیا گیا، جس میں اسلامی عقائد و احکام اور تہذیب و اخلاق کا کوئی حصہ نہ تھا۔ علمائے دین جو بچے کھچے مختلف اطراف میں تھے وہ بھی منتشر تھے۔ اسلامی تعلیم کا کوئی نظام کہیں بھی باقی نہ رہا۔ چنانچہ اس وقت ملت کا درد رکھنے والے چند مفکر علما نے یہ محسوس کیا کہ اگر اسی طرح علم دین اور اس کی تعلیم سے بے گانگی رہی تو اس خطہ میں اسلام کی بقاء ناممکن ہوجائے گی۔

اس پر نظر کرتے ہوئے تیرھویں صدی کے آخر میں ۱۲۸۲ھ بمطابق 1867ء میں ضلع سہارنپور کے علاقہ دیوبند میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کا بنیادی مقصد حکومت کے عہدوں اور مناصب سے قطع نظر دین اور علم دین کا تحفظ اور اس کے صحیح خدوخال کو برقرار رکھنا تھا۔ تاکہ جب کبھی اسلامی تعلیم اور احکام کے رواج دینے کا موقع ہاتھ آئے تو یہ متاعِ گراں مایہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہو، دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد ثانی ایسے مخلص رجالِ کار تیار کرنا تھا جو ملک پر مسلط انگریز غاصب کے قدم برصغیر سے اُکھاڑ دیں، اور قوم کو مکمل آزادی وحریت حاصل ہوجائے۔ دارالعلوم دیوبند میں وہی درسِ نظامی جاری کیا گیا جو پہلے سے تمام مدارس میں رائج تھا اور وقتی ضرورتوں کے پیش نظر نصاب میں مختلف اوقات میں کمی بیشی بھی ہوتی رہی۔ مگر اصل نصاب محفوظ رکھا گیا، اور بعد میں دارالعلوم کے نقش قدم پر ہزاروں مدارس قائم کئے گئے۔ درسِ نظامی کا یہ نصاب ان میں بھی جاری ہوا۔ بحمداللہ یہ اپنے مقصد میں کامیابی کا ذریعہ بنا، یعنی علم دین کا اپنی اصلی حالت میں محفوظ رہنا اور آزادی اور حریت کے لئے مخلص علما کی کھیپ کا تیار ہونا، جو کہ بعد میں جمعیت علماء ہند کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور بحمداللہ برصغیر کو فرنگی غاصب سے آزادی حاصل ہوئی۔ پاکستان بننے کے بعد کچھ مدارس تو یہاں پہلے ہی سے درسِ نظامی پر قائم تھے۔ اور بہت سے نئے مدارس کا افتتاح ہوا، ان میں یہی درسِ نظامی معمولی ترامیم کے ساتھ آج تک رائج ہے، لیکن بدقسمتی سے بانیانِ دارالعلوم دیوبند کے نظریہ حریت وآزادی اور ان کی حکمت وبصیرت سے عدم آگاہی کے باعث جدوجہد آزادی، غلبہ دین کے لئے غیر صالح ملکی نظام کی تبدیلی اور نئے بدیسی نظام کے آہنی پنجہ سے نکلنے کی فکر سے اکثر مدارس خالی نظر آتے ہیں، اور پاکستان کے اہل مدارس اپنے اکابر علما کے ساتھ اس درجہ کا وسیع المشرب دوٹوک نظریاتی ربط استوار نہ کرسکے، جیسا کہ ہونا چاہئے تھا۔

درسِ نظامی کے ابتدائی عہد میں فارسی زبان، علومِ عقلیہ، منطق وفلسفہ اور ریاضی وحساب وغیرہ کو اعلیٰ پیمانہ پر رکھا گیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ فنون ہمارے دینی علوم تو نہ تھے اور نہ قرآن وسنت اور علومِ دینیہ کا سمجھنا فی نفسہٖ ان پر

www.rahimia.org

موقوف تھا۔ بلکہ سکندر لودھی کے زمانہ سے پہلے ان میں سے بعض چیزوں کا تو رواج ہی نہ تھا اور ریاضی حساب وغیرہ جو رائج تھے، وہ بھی اس لئے نہیں کہ قرآن وسنت یا دین کا سمجھنا ان پر موقوف تھا، بلکہ اس لئے کہ ایک عالم دین ملکی، سیاسی اور دفتری معلومات میں بھی قابل اور ماہر تعلیم یافتہ انسان سمجھا جائے، فارسی زبان قرآن وسنت کی زبان نہ تھی، مگر سلطنت کی دفتری زبان ضرور تھی۔ اس لئے تمام علمائے عصر اس میں بھی مہارت پیدا کرتے تھے کہ اس میدان میں بھی وہ کسی سے پیچھے نظر نہ آئیں۔ اسی وجہ سے اس درس کا فاضل حکومت میں بھی عہدہ اور منصب کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ ہمارے شاندار ماضی ''اسلامی ہند'' کے نظامِ تعلیم میں علومِ دینیہ اور دنیویہ کی کوئی تفریق نہ تھی (کہ مدرسہ میں دینی تعلیم علاحدہ ہو، اور سکول وکالج میں دنیوی اور عصری علوم علاحدہ)۔ یہ تفریق صرف اور صرف انگریزی عہد کے آثارِ باقیہ میں سے ہے، ظالم اور غاصب فرنگی حکومت سے مایوس ہوکر علماء کرام کو دینی علوم کی حفاظت کے لئے جداگانہ نظامِ تعلیم اپنانا پڑا، جس کے نتیجہ میں دارالعلوم دیوبند اور اس سے ملحقہ مدارس قائم ہوئے، ان کے مقابلہ میں انگریز لارڈ میکالے کے ذریعہ اپنے مفادات کو پورا کرنے والا نظامِ تعلیم قائم کیا، اور اسی نہج پر سرسید احمد خان کے ذریعہ علی گڑھ کالج قائم کیا، تاکہ اسلحہ اور تلوار کے استعمال کے بغیر ہی نصابِ تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کے ذہنوں کو تبدیل کردیا جائے۔ اور بقول لارڈ میکالے اس تعلیم کے یہ نتائج نکلنے چاہئیں:

> ''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو، اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مزاق اور رائے الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو''۔ (1)

یہ بات بھی محل نظر ہے کہ ایک ہی حکومت اور مملکت میں نظامِ تعلیم میں دوئی اور تفریق کیوں پیدا ہوئی اور ملا اور مسٹر کو علاحدہ کر کے دین کو بے وقعت کیا گیا، حالانکہ بقول سید سلمان ندوی رحمہ اللہ کہ:

> ''اسلام روحانی اور سیاسی دو الگ الگ قوتوں سے واقف نہیں۔ لیکن عیسائی یورپ کا مدار انجیل کے اس فقرے پر ہے ''کہ جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو'' لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ **ان الحکم الا للّٰہ** کہ خدا کے سوا اور کسی کی حکومت نہیں۔ بقول ایک امریکی مصنف کے کہ ''قیصر کون ہے؟ جو خدا کی بادشاہی میں ساجھی ہے''۔ اسلام میں چرچ اور سٹیٹ، دین اور دنیا دو الگ الگ چیزیں نہیں۔ دنیا داری کو قانونِ الٰہی کے تحت انجام دینا ہی دین داری ہے۔ جو اسٹیٹ کا سپاہی ہے، وہی مسجد کا نمازی ہے، ان دونوں کو الگ کرنا ہی تو ہماری تباہی کا سبب ہوا۔ اگر یہاں دنیاداری دینداری ہوتی اور دینداری دنیاداری اور اگر ہمارے سپاہی نمازی ہوتے اور ہمارے نمازی سپاہی، تو یہ دن ہی کیوں دیکھنے پڑتے۔ (2)

ایسے ہی مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں آیت وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ... الخ کے

تحت ''عمل اور عبادت میں اعتدال'' کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:

''اعتقاد کے بعد عمل اور عبادت کا نمبر ہے، اس میں ملاحظہ فرمائیے۔ پچھلی اُمتوں میں ایک طرف تو یہ نظر آئے گا کہ اپنی شریعت کے احکام کو چند ٹکوں کے بدلے فروخت کیا جاتا ہے اور رشوتیں لے کر آسمانی کتاب میں ترمیم کی جاتی ہے یا غلط فتوے دیئے جاتے ہیں اور طرح طرح کے حیلے بہانے بنا کر شرعی احکام کو بدلا جاتا ہے، عبادت سے پیچھا چھڑایا جاتا ہے اور دوسری طرف عبادت خانوں میں آپ کو ایسے لوگ بھی نظر آئیں گے جنہوں نے ترکِ دنیا کر کے رہبانیت اختیار کرلی، وہ خدا کی دی ہوئی حلال نعمتوں سے اپنے آپ کو محروم رکھتے اور سختیاں جھیلنے کو ہی ثواب اور عبادت سمجھتے ہیں۔

اُمت محمدیہ ﷺ نے اس کے خلاف ایک طرف رہبانیت کو انسانیت پر ظلم قرار دیا (**کما قال النبی ﷺ لا رھبانیۃ فی الاسلام** ''اسلام میں رہبانیت نہیں'') اور دوسری طرف احکامِ خدا ورسول پر مر مٹنے کا جذبہ پیدا کیا، اور قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کے مالک بن کر دنیا کو یہ دکھلا دیا کہ دیانت اور سیاست میں یا دین اور دنیا میں بیَر نہیں، مذہب ان مسجدوں اور خانقاہوں کے گوشوں کے لئے نہیں آیا بلکہ اس کی حکمرانی بازاروں اور دفتروں پر بھی ہے، اور وزارتوں اور امارتوں پر بھی، اس نے بادشاہی میں فقیری سکھائی اور فقیری میں بادشاہی سکھلائی۔

چوں فقر اندر لباسِ شاہی آمد ز تدبیر عبیداللّٰہی آمد (3)

آج بھی اگر عقل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو علمائے سو اور دنیا دار پیر اس کا عملی نمونہ ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے **یاایھا الذین آمنوا ان کثیرا من الاحبار والرھبان الخ** کی تفسیر میں ابنِ مبارک کا یہ شعر نقل کیا ہے:

ھل افسد الدین الا الملوک واحبار سوءٍ و رُھبانُھا.

''علمائے سو اور گمراہ پیروں نے ہمیشہ دین کو نقصان پہنچایا۔'' (4)

یہ ظاہر ہے کہ وہ درسِ نظامی جو اب تک ہمارے مدارس میں رائج ہے علومِ دینیہ کی حفاظت واشاعت کے لیے تو بلاشبہ کسی حد تک کافی ہے، مگر ملکی نظام اور دفتری ضروریات تو آج یکسر بدلی ہوئی ہیں۔ ان میں ہماری قدیم منطق وفلسفہ اور قدیم ریاضی اور فارسی کام نہیں دیتی، آج فارسی زبان کی جگہ انگلش نے لے لی ہے۔ قدیم معقولات کی جگہ نئی سائنس وفلسفہ اور دوسرے علوم جدیدہ نے لے لی ہے۔ اگر ہمارے متقدمین اپنے زمانہ کی ضروریات کے پیش نظر فارسی زبان کو اپنا سکتے ہیں، یونانی منطق وفلسفہ اور ریاضی کی تعلیم کو نصاب کا جزو بنا سکتے ہیں، تو آج ان کی اتباع اس میں نہیں کہ ہم اس وقت بھی وہی منسوخ شدہ اور کھوٹے سکے لے کر بازاروں میں پھرتے رہیں، بلکہ وقت کی ضرورت کے مطابق نصابِ تعلیم میں انگریزی زبان اور فنونِ جدیدہ پڑھنا پڑھانا وہی درجہ رکھے گا، جو اس زمانہ میں فارسی زبان اور یونانی فلسفہ کا مقام تھا۔ اگر آج حقیقت کو سمجھ کر ہمارے ماہر تعلیم علمائے کرام فارسی زبان کی جگہ

www.ranimia.org

انگریزی کو اور یونانی فلسفہ کی جگہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کو دے دیں تو اس میں نہ علومِ دینیہ کی تعلیم میں کوئی غلط تصرف ہوگا اور نہ ہی یہ اُسوۂ اسلاف کی اتباع سے باہر کوئی قدم رکھنا ہوگا۔

دین و دنیا کی تفریق کے بارہ میں اکابر علما کی آراء ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ لکھتے ہیں:

''حضرات! مسلمانوں کا دین و دنیا، مذہب و سیاست دو الگ الگ راستے نہیں بلکہ مسلمانوں کی سیاست اور دنیا دین ہی ہے، یہاں دین اور دنیا مذہب اور سیاست کا فرق نکالنا زندقہ اور الحاد ہے۔ غرض یہ کہ دین و دنیا، مذہب و سیاست کا فرق نکالنا یہ اہل یورپ کی پیداوار ہے۔ شریعت محمدیہ ﷺ کا دامن اس تفریق سے بالکل پاک اور منزہ ہے۔ مسلمان کی دنیا بھی دین ہے بلکہ مسلمان کی زندگی کا ہر شعبہ بقول حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہ میں اپنی نیند کو ایسا ہی ثواب سمجھتا ہوں، جس طرح کہ اپنے کھڑے ہو کر نماز اور تہجد پڑھنے کو''۔ (5)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ذکر کی کوئی حد بھی ہے یا ہمیشہ کا قصہ ہے تو حضرت نے فرمایا کہ:

''اصل میں ایسا ہوتا ہے کہ اثنائے ذکر میں کسی کو نفل نمازوں سے اُنس ہو جاتا ہے، کسی کو تلاوت قرآن سے، کسی کو تعلیم و تعلم سے، کسی کو دوسرے دینی کام سے اور کسی کو مفادِ عامہ کے امور سے اور انتظامِ سیاسی سے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکثر کو اسی سے لگاؤ تھا، جس کے ماتحت انہوں نے دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا اور رفاہِ عامہ کے کام کو سرانجام دیا''۔ (6)

اسلام کا سچا نظریہ واضح ہو چکا ہے کہ دین و دنیا کی تفریق زندقہ و الحاد ہے تو ہمیں غور کرنا ہوگا کہ آج ہمارے تعلیمی مراکز سکول و کالج، مدارس و مساجد اور خانقاہیں کہیں اس تفریق کا شکار تو نہیں ہو رہے؟۔

وقتی ضرورتوں کی روشنی میں تشکیل دیا گیا متوازن نصابِ تعلیم وہ ہے، جس کے نتیجہ میں مفید علم حاصل ہو اور مفید علم ہی طلبہ میں جدید تقاضوں سے نبرد آما ہونے کی بہتر صلاحیت پیدا کر سکتا ہے۔ علم غیر مفید مسائل حل کرنے کے بجائے مسائل پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہے:

اللھم انی اعوذ بک من علم لاینفع، ''اے اللہ میں علم غیر مفید سے پناہ چاہتا ہوں''۔ (7)

اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد بدرِ عالم میرٹھیؒ نے بہت عمدہ بات کہی ہے، وہ تحریر کرتے ہیں کہ:

''ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ کتب حدیث میں جو ابواب و تراجم ایک خاص فضا اور خاص ماحول میں اہم سمجھ لئے گئے تھے، آج بھی ان کو اسی نظر سے دیکھتے چلے جانا، وہ جہمیت کی تردید اور خوارج کے ساتھ وہی جھگڑے، صفات کے عین اور غیر ہونے کے متعلق وہی فلسفیانہ کاوشیں ہیں۔ قرآن

پاک کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی وہی قدیم بحثیں زیرِ تحقیق لاتے چلے جانا اور ایک ایسی زمین پر مالکیت اور شافعیت کے لئے صف آرائی کرنا جہاں نہ کوئی شافعی ہے اور نہ ہی کوئی مالکی۔ علم و فکر کے ان مظاہروں کو ہرگز اقتضاء علم نہیں کہا جاسکتا، نہ تو اسکا نام احساسِ ضرورت ہے اور نہ ہی اس کو صحیح معنی میں اتباعِ سلف کا نام دیا جاسکتا ہے۔

اتباعِ سلف یہ ہے کہ مثلاً جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے وقت میں فتنوں کے مقابلہ میں کتاب الردعلی الجہمیہ، حجیت اخبارِ احاد، صفات باری اور شؤون باری پر مناسب عنوانات قائم کئے تھے۔ ان کے قدم بقدم چل کر ہم بھی وقتی مسائل کے لئے مناسب عنوان قائم کریں اور اس میں ایک لمحہ کے لئے بھی شبہ نہیں کرنا چاہئے۔ اگر امام بخاری رحمہ اللہ اس زمانہ میں موجود ہوتے تو اپنی مجتہدانہ شان، دقت رسی، دقیقہ سنجی اور اُمت کی ضرورتوں کے متعلق صحیح نبض شناسی اور دردمندی کی وجہ سے اپنے بابوں، ترجموں اور عنوانات کا رُخ جہمیت اور اعتزال کی تردید کے بجائے یقیناً انہی مسائل کی طرف پھیر دیتے، جو ہمارے وقت کے اُلجھے ہوئے مسائل کہلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی بخاری شریف میں اجتماعیات و اقتصادیات اور دیگر ضروری مسائل کی جانب ایسی اہم تعلیمات موجود ہیں، کہ اگر کوئی ذی علم ان سے استفادہ کرنا چاہے تو بہت کچھ حاصل کرسکتا ہے، اور انہیں جدید اخذ و استنباط کی بنیاد قرار دے سکتا ہے۔ آخر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ہند میں ایک محدث ہی تو تھے، جنہوں نے اس قسم کی ضروریات کا احساس کر کے عام اور متعارف مباحث کے علاوہ اجتماعیات و اقتصادیات کے غیر متعارف اور حددرجہ مفید مباحث اپنی تصانیف میں پھیلا دیں۔ آج بھی اگر حجۃ اللہ البالغہ کو اُٹھا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حنفی ہونے کے باوجود ان کی نگاہ میں فروعی مسائل کی کیا اہمیت ہے۔(8)

اس وقت انگریزی زبان اور علومِ جدیدہ عصریہ ہمارے دین کے لئے مضر اثرات کیوں پیدا کر رہے ہیں؟ جب ہم ماضی کی طرف نظر کرتے ہیں تو واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہم سے پہلے مسلمانوں نے وقت کی ضرورت سمجھ کر قدیم فلسفہ منطق و ریاضی اور فارسی زبان کو اپنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس زبان اور فنون نے مسلمانوں کے عقائد و اعمال، اخلاق، معاشرت اور معیشت پر کسی قسم کا غلط اثر نہیں ڈالا، بلکہ ان میں جو غلط اور مضر اثرات تھے، ان کی بھی اصلاح ہوتی چلی گئی اور فارسی زبان عربی زبان کے بعد دوسری اسلامی زبان بن گئی، (اخلاقیات کا بیشتر حصہ صوفیائے کرام نے اسی زبان میں تصنیف کیا، مثلاً مکتوبات مجدد الف ثانیؒ، مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ، دیوانِ شیرازی اور کتب سعدی وغیرہ اسی زبان میں آج تک چھپی ہوئی موجود ہیں) یونانی فلسفہ، منطق و ریاضی وغیرہ علومِ اسلامی کا ضمیمہ بن گئے۔ مگر موجودہ دور میں انگریزی زبان اور اس کے ذریعے آئے ہوئے علوم و فنون کا معاملہ بالکل اس سے مختلف نظر آیا۔

وقت کی ضرورت کو دیکھ کر ملک کے کئی اداروں نے قدیم علومِ اسلامیہ کے ساتھ انگریزی اور علومِ عصریہ کا امتزاج کیا، لیکن کہیں تو یہ کام چلا ہی نہیں اور کسی جگہ چلا تو اس طرح کہ وہاں کے طلبہ میں علومِ عصریہ اور انگریزی زبان سے تو کچھ واقفیت ہوگئی، لیکن اسلامی علوم میں مہارت کا فقدان ظاہر ہوا۔ اس کے علاوہ ان طلبہ کے عقائد و اعمال خاص کر اخلاق و معاشرت پر بھی مغربیت چھا گئی اور دین بالکل مغلوب ہوگیا، جس نے اسلامی تعلیمات کا مقصد ہی فوت کردیا۔ اسی طرح کے تجربات دیکھ کر بہت سے محتاط حضرات نے انگریزی زبان اور ان فنون کو ترک کر دینے کو ''سلامت بر کنار است'' قرار دیا۔ لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ حالات و معاملات کا تجزیہ کر کے دیکھا جاتا کہ قدیم علوم فلسفہ اور فارسی زبان کیوں ہمارے اعمال و عقائد اور اخلاق پر اثرانداز نہیں ہوئے، انگریزی زبان اور موجود علومِ عصریہ نے کیوں ہمارے عقائد و اعمال سے لے کر اخلاق، بلکہ پورے دین کو مضمحل کر کے مکمل یورپ کے تابع بنادیا۔ اس تجربہ سے جو اسباب مضر ثابت ہوتے، ان سے اجتناب کیا جاتا اور جو مفید نتائج تھے، ان کو سرے سے نظرانداز نہ کیا جاتا۔

معمولی غور و فکر کے بعد اس فرق کی دو وجوہ نظر آتی ہیں، ایک تو یہ کہ فارسی زبان اور یونانی علوم کو ہم نے اس حال میں پڑھا کہ دنیا پر ہماری حکومت غالب تھی، ہمارا اپنا نظام رائج تھا، دیگر اقوام ہم سے علم اور تہذیب و تمدن سیکھتی تھیں، ہمارے ذہن دوسروں سے مرعوب و مغلوب نہ تھے، ان تمام چیزوں کو وقت کی ضرورت سمجھ کر اپنایا اور انہیں اپنے عقائد و تعلیمات کے تابع بنا کر رکھا، اصل علومِ دینیہ پر برتری اور تفوق کا وسوسہ بھی کسی کو نہ آتا تھا۔ دوسرے یہ کہ تعلیم دینے والے ان فنون کے وہی حضرات تھے، جو علومِ کتاب و سنت میں ماہر اور پختہ تقویٰ، طہارت و زُہد سے آراستہ تھے (شریعت، طریقت اور سیاست میں کامل و مکمل تھے) ان کی صحبت و تعلیم نے ان طلبہ کو عجمی اثرات سے محفوظ رکھا، جو ہر فن اور ہر زبان کے ساتھ آیا کرتے ہیں، اس کے برعکس ہم نے انگریزی زبان اور اس میں آئے ہوئے علوم و فنون کو ایسے زمانہ اور حالات میں لیا، جب کہ دنیا کی حکومت و قیادت انہی لوگوں کے ہاتھ میں تھی، (اور ہم حریت و آزادی سے محروم اور ذہنی غلامی سے مجنون بنے ہوئے تھے) جن کی طرف سے یہ انگریزی زبان اور علوم و فنون آئے، ہم نے اس کو اپنے آقاؤں کی زبان اور ان کا دیا ہوا تحفہ سمجھ کر احساسِ کمتری کے ساتھ قبول کیا۔ انگریزی حروف لکھنے پڑھنے اور بولنے میں عزت اور فخر محسوس کرنے لگے۔ ان فنون کے جاننے کو ہی ایسا سرمایۂ سعادت سمجھا کہ اپنے علوم و فنون سے یکسر غافل و جاہل ہوتے چلے گئے۔

دوسری طرف اس زبان اور فنون کی تعلیم کے اساتذہ بھی ہمیں عصری اداروں اور یورپ ہی سے درآمد کرنے پڑے۔ طلبہ کا اپنے اساتذہ کے ساتھ عقائد و نظریات، اعمال اور اخلاق اور معاشرت سبھی سے متاثر ہونا ایک فطری امر اور تقاضہ ہے، جو پیش آ کر رہا۔ اور بدنصیبی سے جب مسلمانوں کے لئے اس زبان سے استفادہ اور فنونِ جدیدہ کی ترقی کا وقت آیا تو حاصل یہ ہوا کہ وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھے۔ نہ ان کو اپنے اصلی علوم کتاب و سنت کا کوئی تعلق اور

واسطہ رہا اور نہ ہی اسلامی عقائد وعبادات اور اخلاق ومعاشرت سے کوئی تعلق رہا۔

لایبقی الاسلام الا اسمۂ ولا یبقی القرآن الا رسمۂ او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم. (اسلام کا سوائے نام کے کچھ باقی نہیں رہا اور قرآن کا سوائے رسم کے کچھ باقی نہیں رہا) (9)

اسلام اور قرآن محض نام کی حد تک رہ گئے۔ یہ اسباب تھے کہ جن کی وجہ سے انگریزی زبان اور فنونِ عصریہ جدیدہ نے ہمیں چاہے کچھ بھی بنادیا ہو، مگر مسلمان نہیں رہنے دیا، اور نئی نسل کا تو صرف اللہ ہی حافظ ہے۔

اور مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

"افسوس ہے کہ جب ہمیں یورپ والوں سے اختلاط کا اتفاق پیش آیا تو ہم نے ان سے نہ صرف ان کا کفر اور آخرت سے غفلت اور بے حیائی اور بد اخلاقی تو سب سیکھ لی، لیکن ان کے وہ اعمال نہ سیکھے جن کی وجہ سے وہ دنیا میں کامیاب نظر آتے ہیں، جس مقصد کے لئے کھڑے ہوں، اس کے پیچھے ان تھک کوشش، معاملہ کی سچائی، بات کی سچائی اور دنیا میں اثر ورسوخ کے حاصل کرنے کے لئے نئے نئے طریقے جو درحقیقت اسلام ہی کی اصلی تعلیمات ہیں، ہم نے ان کو دیکھ کر بھی ان کی نقل اُتارنے کی کوشش نہیں کی"۔(10)

اس کا ایک حل مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ پیش کرتے ہیں:

"اگر مضر اثرات اور اسباب سے مکمل طور پر پرہیز کرتے ہوئے انگریزی زبان اور عصری علوم و فنون کو پوری کوشش اور توجہ سے حاصل کیا جائے تو وہ پچھلے فلسفہ ومنطق سے زیادہ اسلامی عقائد اور اسلامی علوم کے خادم نظر آئیں گے۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ اصل کو اصل سمجھا جائے اور تابع کو تابع، اور تابع کو اس کے اپنے درجہ سے نہ بڑھنے دیا جائے اور اس کے حاصل کرنے کو دنیا کی ضرورت سمجھا جائے، لیکن سرمایہ فخر نہ بنایا جائے۔ نیز ان علوم کو حاصل کرنے کے لئے اساتذہ ایسے مہیا کئے جائیں کہ جو اپنے عقائد و کردار، معاشرت، عبادت اور خداترسی کی رو سے پکے مسلمان ہوں اور اسلامی تعلیمات کے معلم ہونے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہوں، تو پھر نہ ہی کوئی انگریزی زبان میں زہر ہے اور نہ ہی جدید سائنس وٹیکنالوجی کے حصول میں، بلکہ اپنے طور طریقہ سے ان علومِ عصریہ اور انگریزی زبان کو سیکھنا اور سکھانا دین کی تائید اور اشاعت وتبلیغ کے لئے عبادت اور واجب ہے۔

چونکہ اندریں حالات ہم ہر لحاظ سے مغلوب اور بے بس ہیں، ان موانعات کو دور کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے کردار کو سامنے رکھا جائے کہ پوری طرح اپنے مدارس میں شریعت، طریقت اور سیاست میں ماہر رجالِ کار تیار کئے جائیں جو جمعیت علمائے ہند کا نمونہ ہوں۔ اساتذہ سے سنا ہے کہ دارالعلوم کے خاکروب سے لے کر شیخ الحدیث وسرپرست تک سب لوگ صاحب

نسبت ہوتے تھے اور اپنی معیشت کے لئے صنعت و حرفت، طب و کتابت اور جلد سازی وغیرہ کا شعبہ اختیار کیا جاتا تھا۔ بلکہ بقدرِ ضرورت ضرب وحرب کے لئے بھی تیاری کروائی جاتی تھی۔ (11)

اور بقول قاری محمد طیب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے، کہ:

''بعض لوگوں نے مشہور کر دیا تھا کہ یہ دارالعلوم عربیہ نہیں ہے بلکہ یہ دارالعلوم حربیہ ہے، یہ اُس وقت کے علمائے کرام کی خداداد فراست ہی تھی کہ جنہوں نے سارے کام مؤخر کر کے علم دین کو قائم رکھا اور وقت کے اہم ترین مقصد کو سمجھا، چنانچہ مدرسہ شاہی مراد آباد اور دارالعلوم دیوبند اسلام کا نمونہ اور آزادیٔ ہند کی چھاؤنی بن گئے۔ دارالعلوم کا یہ مقصد اول قرار پایا کہ یہاں سے مسلمانانِ ہند کے نونہال اسلام کی روح سے سرشار ہو کر اسلام کا نمونہ بن کر نکلیں اور اعداء اللہ کا مقابلہ مردانہ وار کریں اور یہی مقصد بانیانِ دارالعلوم کا ہمیشہ رہا ہے۔ یقیناً مسلمانوں کے تعلیمی ادارے محض تعلیمی خدمات انجام دینے کے لئے نہیں بنائے گئے تھے، بلکہ مسلمانوں کی مذہبی، دینی تربیت اور ملت کی پیشوائی اور دوسری خدمات بھی ان کے فرائض میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ عظیم کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کے مدرسین نے دورے کئے اور بڑی مقدار چندہ جمع کر کے ترکی بھیجا۔ اُس زمانہ میں دارالعلوم کا تعلیمی نظام معطل رہا۔ اور تنخواہیں دی گئیں۔ جنگ بلقان میں حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر ارکانِ دارالعلوم دیوبند نے تقریباً ایک ماہ یا اس سے بھی زائد درسی خدمات بند کیں، ملک کے طول وعرض میں دورے کئے اور چندہ جمع کر کے ہلالِ احمر کی شاندار اعانت کی اور فرمایا کہ آزادیٔ ہند کی جدوجہد کرنا انہی دینی اور مذہبی خدمات کی وجہ سے اشد ضروری سمجھا گیا۔ اختلافِ آرا اور چیز ہے، پس جو لوگ بھی اس میں حصہ لے رہے ہیں، وہ کسی ادارہ علمیہ کے علاوہ کسی دوسرے مقصد میں حصہ نہیں لے رہے۔ (12)

سیاسیات خواہ قدیمہ ہوں یا حاضرہ، مذہب اسلام سے مانع نہیں ہیں، نیز مولانا فرید الوحیدی حضرت مدنیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

انہوں نے اپنے وقت کے علما کو آواز دی اور ان کو یہ پیغام دیا کہ دین کی خدمت کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آپ لوگ مدرسہ و خانقاہ میں گوشہ نشین ہو کر کتاب و کاغذ تک ہی محدود رہیں، بلکہ مسلمانوں کی اور ملک کی اقتصادی اور معاشی نیز سیاسی ترقی اور استحکام کے لئے جدوجہد بھی دینی فرائض میں شامل ہے۔ (13)

اور مولانا نجم الدین اصلاحی فرماتے ہیں کہ:

''تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں میں اعلائے کلمۃ الحق کی خدمت انجام دے کر تقرب الی اللہ کا جذبہ کارفرما رہا اور قرآنی عہد کو سارے علم پر حکمران بنا کر اپنے خدا کو راضی کرنے کی

خواہش تھی، تو اُس وقت تک ان کی عبادات میں جان اور روح باقی تھی اور جب سے دین کے متعلق ان کا تصور یہ ہوگیا کہ وہ صرف اور صرف انفرادی اعمال کی اصلاح اور شخصی نجات کا ذریعہ اور صوم وصلوٰۃ، وِردو وَظائف اور تلاوتِ قرآن کی پابندی مذہبیت کی علامت ہے، اس وقت سے اُن کے اندر وھن (بزدلی) نے جنم لے لیا ہے۔ یعنی حب الدنیا و کراھیة الموت، (دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا) ہم کو مذکورہ بالا شرعی اُمور کی فرضیت و استحباب سے انکار نہیں، بلکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ مذہب ایک باطنی جذبہ ہے، جس کا اظہار زندگی کے جملہ اعمال سے ہونا چاہئے، تا کہ اسلام کی مخالف طاقتوں کا مقابلہ کرنے اور دین حق کو غالب کرنے کا بنیادی تخیل بروئے کار آئے اور یہی دینی کام ہے، جب کوئی دنیاوی کام جذبہ دین کے تحت اور اسلامی نصب العین کی محبت میں کیا جائے تو پھر وہ دنیا کا کام نہیں رہتا، بلکہ عین دینی کام بن جاتا ہے، بخلاف اس کے دنیا داری یہ ہے کہ ایک طرف ہم نمازیں پڑھیں، عبادات کریں اور خدا کی محبت کا دعویٰ کریں اور دوسری طرف ہم کفروشرک کی علم بردار ظالم سامراجی طاقتوں سے مداہنت کریں، کافرانہ تہذیب کے غلبے پر راضی رہیں اور اربابِ اقتدار کی برائیوں اور ناحق شناسی کو خاموشی سے دیکھتے رہیں کہ مبادا اظہارِ حق سے کہیں ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے اور یہ ایسی بُرائی ہے کہ اس سے سارا کیا کرایا برباد ہوجاتا ہے اور گناہ لازم سے اسی کو تعبیر کرتے ہیں۔(14)

ہوسکتا ہے کسی کو میری مذکورہ بالا معروضات پر اطمینان نہ ہو، تو اس کی تسکین کے لئے صرف سورۂ توبہ کی چند آیات پیش خدمت ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (15)

"اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، تمہارے بھائی، بیویاں اور تمہارے اہل خانہ اور وہ مال جو تم نے جمع کیا ہے اور وہ تجارت کہ جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور وہ قیام گاہیں جو تمہیں پسند ہیں، اگر یہ سب چیزیں اللہ اور رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہیں تو اس کا انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم تمہارے سامنے لے آئے"۔

غور کا مقام ہے کہ مخاطبت کن لوگوں سے کی جارہی ہے؟ اُن سے کہ جن کی نمازیں اور عبادتیں یکسر خلوص اور للّٰہیت سے معمور تھیں، جن کے اعمال صالحہ اور فضائل واخلاق دنیا کی تاریخ میں نظیر نہیں رکھتے، باوجود اس کے انہیں چیلنج کیا جاتا ہے کہ اگر زندگی کی محبتوں اور اُلفتوں نے دین حق کی راہ میں اور اعلائے کلمۃ الحق کی طلب میں ادنیٰ سی رُکاوٹ بھی پیدا کی تو خدا کے حکم کے منتظر رہو، آج جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف ہماری نمازیں، ہماری دعائیں

www.rahnuma.org

اور ریاضتیں نجات کے لئے کافی ہیں، انہیں غور کرنا چاہئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو ان نمازوں، عبادتوں اور اعمال صالحہ کے باوجود انجام سے اس لئے ڈرایا جا رہا ہے کہ مبادا اسلام کی سربلندی اور دین حق کے غلبہ کی کوشش میں ان کے قدم سست پڑ جائیں، تو ہم لوگوں کی عبادتیں، ریاضتیں اور شاہی تصوف کس شمار و قطار میں ہیں، جب کہ ہم خدا کے دین کو سربلند کرنے اور اسلام کو دنیا پر غالب کرنے کی ادنیٰ ترین قربانی دینے کے لئے تیار نہیں۔ جی چاہے تو غزوہ تبوک کے معتوبین کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے، خلاصہ یہ نکلا کہ اگر دنیا میں اپنی آنکھوں کے سامنے اسلامی اقدار مٹ رہی ہوں، کعبہ پر گولیاں برس رہی ہوں اور ہم مسجدوں اور خانقاہوں میں لمبی لمبی تسبیحیں جپتے رہیں اور تہجد گزاری میں مصروف ہوں تو حقیقتاً ہم کو نہ اسلام سے محبت ہے اور نہ کفر سے نفرت، انفرادی مذہبی اعمال کی تبلیغ سنت نبوی ﷺ ہے، وضو کرتے وقت مسواک کرنا، عمامہ شریف باندھنا، ٹخنوں سے اونچی شلوار رکھنا، یہ سب سنت نبوی ہیں اور یقیناً سنت ہے، لیکن وقت کے طاغوت کا انکار کرنا فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ (۲:۲۵۶) اپنے دور کے فرعون، نمرود، ابوجہل، ابولہب، قیصر و کسریٰ کا نظام ختم کرنا، ان کے ظالمانہ غلبے کو توڑنا، ان کی ہیبت اور سطوت کو ختم کرنے کے لئے سب کچھ قربان کر دینا بھی سنت نبوی ﷺ ہے، ان سنتوں کو کیوں پس پشت ڈال دیا گیا ہے؟ ان سنتوں کی باری کب آئے گی؟ اور ان کو اپنی زندگی کا حصہ کب بنائیں گے؟ کیا ان کے احیاء کے لئے کسی دوسری قوم کا انتظار ہے؟

اگر کوئی شخص اپنے ایمان کا امتحان کرنا چاہے تو دیکھ لے کہ خدا کی راہ میں تکالیف و مصائب برداشت کرنے کی اس میں خواہش کتنی ہے، یہ وہ کسوٹی ہے، جس پر کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے۔ رُشد و ہدایت کی وضاحت کے بعد سب سے پہلا قدم انکارِ طاغوت ہے۔ طاغوت کی تفصیل میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے، کچھ سند نہ رکھے، ایسے کو طاغوت کہتے ہیں''۔(16)

شیطان اور زبردست ظالم اس میں داخل ہیں۔ مولانا نجم الدین اصلاحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''طاغوت لفظ ایسا جامع ہے، اس میں نفس، سوسائٹی، خاندان، شیطان اور حکومت بھی آ جاتے ہیں، جیسے کہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب نے ''وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ''(۳۹:۱۷) میں وضاحت کی ہے، یعنی جو ظلم و ستم کی طاقتوں کی پوجا کرنے سے الگ رہتے ہیں، اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، وہ مستحق بشارت ہیں، الی آخرہٖ۔(17)

قابل غور پہلو یہ ہے کہ کیا آج کے سکول و کالج اور مدارس کا تعلیمی نصاب طاغوتی نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کا جذبہ اور اس سے مزاحمت کا ذہن پیدا کر رہا ہے؟ کیا وقت کے طاغوت (سامراج) کے بارہ میں شعور دے رہا ہے؟ یا نظام ظلم اور طاغوتی طاقتوں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے رجالِ کار تیار کر رہا ہے؟ ایسا علم جو غلامی کا ذہن پیدا کرے، جذبہ حریت و آزادی ختم کرے وہ کس کام کا؟ چونکہ ہم مذہب کے کچھ فرائض و واجبات پر

قانع ہوگئے ہیں، اس لیے ہم نے خدا کی راہ میں صعوبتیں برداشت کرنے اور کلمۂ حق کو بلند کرنے کے فرق کو نہیں سمجھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرح کی ترقی کی خواہش سے ہمیں دست بردار ہونا پڑا، حدیث شریف میں آتا ہے:

''جب تم بیلوں کی دُم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور اللہ کی راہ میں جہاد ترک کردو گے تو خدا تم پر ایسی ذلت مسلط کرے گا، جس سے کبھی نہ نکل سکو گے، یہاں تک کہ پھر اپنے دین کی طرف واپس آؤ''۔(18)

ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ہل اور کچھ آلاتِ زراعت دیکھ کر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ جس گھر میں یہ آلات داخل ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس میں ذلت اور رُسوائی داخل کردیتے ہیں، چونکہ مدینہ میں زراعت پیشہ لوگ رہتے تھے، اس لئے آپ نے ذلت اور رُسوائی کو زراعت کے ساتھ مخصوص فرمایا، ورنہ یہی حال تجارت اور ملازمت، غرض ہر چیز کا ہوتا ہے، جب کہ اس میں مشغولیت اپنی حد سے گزر جاتی ہے اور مسلمان اپنی اجتماعی ذمہ داری اور خدمت خلق سے کنارہ کشی اختیار کرلیتا ہے، تو وہ کام دنیا وآخرت کی ذلت و رسوائی کا سبب بن جاتا ہے۔

خاص کر اہل مدارس اور اہل خانقاہ کے لئے غور کا مقام ہے۔ یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ جب انسان اپنے اصل مقصد کو چھوڑ کر صرف ذرائع اور وسائل کو مقصد بنا لیتا ہے اور اسی کے لئے جدوجہد کرنا زندگی کا خلاصہ ہوجاتا ہے تو یہ حالت اس کے لئے بڑے سے بڑے خطرے کا اَلارم ثابت ہوتی ہے۔ اس بات کو مولانا محمد تقی امینیؒ نے خوب وضاحت سے فرمایا۔ مثال کے طور پر ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد رحمت الٰہی کو عام کرنا اور اللہ کی مخلوق کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا ہے، زراعت، تجارت، ملازمت (اور تعلیم وتدریس) وغیرہ سب اسی مقصد تک پہنچانے کے لئے وسیلہ اور ذریعہ ہیں، اب اگر کوئی شخص ذرائع میں اس قدر گم ہوجائے کہ مقصد کے لئے وقت ہی نہ ملے یا ذریعہ کو ہی مفید سمجھ بیٹھے (جیسے کہ آج سکول وکالج اور مدارس میں ہمارا تعلیمی نظام نظریۂ حریت، قیامِ عدل کی جدوجہد اور غلبہ اسلام کی سوچ کے بغیر پڑھایا جارہا ہے) تو ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی کے لئے اس سے بڑھ کر تباہی اور بربادی کی اور کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔

www.rahimia.org

حوالہ جات

(1) میجر باسو، تاریخ تعلیم، ص105، بحوالہ روشن مستقبل از طفیل مینگلوری، ص131۔

(2) خطبات جمعیۃ علمائے ہند 72، طبع لاہور۔

(3) معارف القرآن، از مفتی محمد شفیعؒ جلد1، ص371، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی۔

(4) ملا علی قاری، الرد علی وحدۃ الوجود، جز نمبر1، ص49، مکتبہ شاملہ۔

(5) الکلام المفید فی اثبات التقلید، از مولانا سرفراز خان صفدر، ص73، 58، طبع گوجرانوالہ۔

(6) ارشادات حضرت رائے پوریؒ، از مقدمہ امداد السلوک، ص19، طبع دار التحقیق، لاہور۔

(7) کتاب الاستعاذہ، مشکوٰۃ، ص216، ج اول، مطبوعہ محمد سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی۔

(8) ترجمان السنہ، از مولانا بدرِ عالم میرٹھی، جلد1، ص11، مطبوعہ سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی۔

(9) مشکوٰۃ، کتاب العلم، ص38، ج اول، طبع محمد سعید اینڈ کمپنی، کراچی۔

(10) معارف القرآن، از مفتی محمد شفیعؒ، جلد1، ص295، طبع دار المعارف، کراچی۔

(11) مضمون مولانا محمد ادریس کاندھلوی، طبع شدہ لاہور۔

(12) مختصر تاریخ دار العلوم دیوبند از قاری محمد طیبؒ۔

(13) شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، جلد1، ص344۔

(14) مجالس مفتی اعظم رحمہ اللہ۔

(15) سورہ توبہ، القرآن (۹:۲۴)۔

(16) تفسیر عثمانی، طبع تاج کمپنی، لاہور۔

(17) سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص169، طبع لاہور۔

(18) سرخسی، المبسوط، ج10، ص83، طبع بیروت۔

www.rahimia.org

تعارف شخصیات

تحریک آزادی کی رہنما شخصیت
حضرت مولانا محمد صادق رحؒ کھڈہ والے (کراچی)

تحریر: مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکار پور)

آزادی کے لفظ سے شاید اہل یورپ و فرنگ نا آشنا ہوں لیکن ایشیا اور افریقہ کے ممالک خصوصاً برعظیم ہندوستان اور اس میں بسنے والے جمنا، نربدا، سندھ ساگر کے باشندے نہ صرف واقف ہیں بلکہ اس کے مفہوم کو بھی خوب سمجھتے ہیں۔ سندھ دھرتی کی مٹی سے تو ہنوز اسی تگ و دو کی دھول اڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خطہ میں تاریخ کے ابتدائی ادوار سے جہاں ہمیں اقوام کی نمود وارتقاء کا پتا چلتا ہے، وہاں سے ہمیں آزادی کے حصول کے لیے بھی قربانیوں کے سلسلے کی کڑیاں باہم جڑتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ خصوصاً ولی اللہی تحریک کی ابتدا سے اب تک جو مسلسل قربانیوں پر مبنی ایک طویل جدوجہد نمایاں نظر آتی ہے۔ جس کی وسعت دور کے اعتبار سے نہ صرف ہند اور سندھ بلکہ بیرون ممالک میں پھیلی ہوئی تھی۔ بلکہ اسی کے نتیجہ میں ہی انگریز سامراج کو اس خطے سے اپنی استبدادی بادشاہت کی بساط لپیٹنا پڑی۔

آزادی کی اس تحریک میں جہاں ملک کے دیگر علاقوں کی جدوجہد اور قربانیوں کی شمولیت ہے۔ وہاں سندھ کی قائدانہ کاوشیں اور خدمات نمایاں طور پر سرفہرست ہیں۔ آزادی پسند قیادت میں جن نامور شخصیات کا شمار ہوتا ہے۔ ان میں ایک نام حضرت مولانا محمد صادق کھڈہ والےؒ (کراچی) کا بھی ہے۔ جو سندھ و بلوچستان میں ولی اللہی تحریک کی پہچان اور آزادی و حریت کی علامت ہیں۔

آبائی خاندان اور وطن

حضرت مولانا محمد صادق کے آباء واجداد کا تعلق سندھ کی مردم خیز زمین ضلع ٹھٹھہ کی تحصیل شاہ بند کے ''بُہارا'' شہر سے تھا۔ آپ کے جد امجد حضرت مولانا عبدالکریم میمن علاقہ کی برگزیدہ شخصیت اور خصوصاً ماہی گیروں کے مذہبی پیشوا تھے۔ جو وہاں سے نقل مکانی کر کے کراچی تشریف لائے تھے۔ ان ہی کے ہمراہ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا عبداللہ میمن بھی کراچی کے ماہی گیروں کی آبادی میں آ کر سکونت پذیر ہوئے۔ جو اس وقت ٹاور سے بولٹن

مارکیٹ کے درمیانی حصے میں آباد تھی۔ بعد میں جب مچھیروں کی آبادی کو وہاں سے کھڈہ منتقل کیا گیا تو آپ بھی ان کے ہمراہ کھڈہ آئے اور ان ہی محنت کشوں کی مدد سے سب سے پہلا کام مسجد کی تعمیر کا کیا۔ یہ مسجد فردوس ہی ہے، جو شروع میں مولانا عبداللہ کے نام سے موسوم تھی۔

''مظہر العلوم'' کھڈہ کراچی کا قیام

حضرت مولانا عبداللہؒ نے اس بستی میں دینی علمی خدمت کا آغاز 1884ء میں کیا۔ اور دارالعلوم دیوبند کی طرز پر کھڈہ (کراچی) میں مشہور تاریخی درس گاہ ''مظہر العلوم'' کو قائم کیا۔ درس گاہ کے بانی کی حیثیت سے آپ کو لوگ کم ہی جانتے ہیں۔ عام طور پر آپ کے فرزند مولانا محمد صادقؒ کو درس گاہ کا بانی سمجھا جاتا ہے، جو درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو فرزند عطا کیے ایک مولانا محمد حسن اور دوسرے مولانا محمد صادق۔ دونوں فرزند عالم فاضل ہوئے۔ ان میں مولانا محمد صادقؒ علمی و عملی طور پر آگے بڑھے اور بڑا نام پیدا کیا۔ سلسلہ نسب میں آپ کے جد امجد حضرت مولانا عبدالکریمؒ بن میاں عبداللطیف اور وہ میاں محمد امین کی فرزند ہیں۔ میاں محمد امین سندھ کے بزرگ شاعر گزرے ہیں۔ (1)

پیدائش اور تعلیم

مولانا محمد صادق کی ولادت ۲۵/محرم الحرام ۱۲۹۱ء بمطابق 15 مارچ 1874ء کھڈہ کراچی میں ہوئی۔ بچپن سے طبیعت میں نفاست اور ذہانت موجود تھی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ چند سال حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خسر مولانا ابو محمد احمد کے برادر اور پنجاب کے عالم مولانا احمد الدین چکوالی کے ہاں کھڈہ میں زیر تعلیم رہے۔ جنھیں آپ کے والد گرامی نے خصوصی طور پر آپ کی تعلیم کے لیے مقرر کیا تھا۔

آپ کی زندگی میں ایک انقلابی تبدیلی اس وقت آئی جب ایک دفعہ امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ دیوبند سے کراچی تشریف لائے۔ آپ کی ذہنی پرواز کو امامِ انقلاب کی عقابی نگاہوں نے بھانپ لیا۔ اور آپ کے والد مرحوم کو مشورہ دیا کہ دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے آپ کو دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی خدمت میں روانہ کیا جائے۔

یہ ۵/ذوالقعدہ ۱۳۱۱ھ بمطابق 1894ء کی بات ہے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر حضرت شیخ الہندؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور رفتہ رفتہ آپ نے حضرتؒ کے خصوصی تلامذہ میں اپنا مقام بنایا۔ (2) دورانِ طالب علمی مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ آپ کے ہم سبق رہے۔

تدریس اور طرزِ زندگی

ایک سال بعد محرم الحرام ۱۳۱۳ھ بمطابق جون 1895ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند حاصل کی۔ اور واپس

کراچی آکر اپنے والد کی نگرانی میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ میں تدریسی کام میں مشغول ہوگئے۔ ابتدا میں آپ کی تنخواہ دو روپے تھی۔ والد کی وفات کے بعد 1914ء میں آپ نے ادارے کا اہتمام سنبھال لیا تو تنخواہ لینا بند کردیا اور اخیر عمر تک بلا معاوضہ کام کرتے رہے۔

چوں کہ آپ نے طبی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ اس لیے مدرسے کے ایک کمرے میں آپ مطب بھی کرتے تھے۔ یہ کمرہ جو بیک وقت مہمان خانہ بھی تھا اور دواخانہ بھی تھا۔ اس سے کافی آمدنی ہوتی تھی۔ جس سے آپ اپنے اخراجات پورے کر لیتے تھے۔ اس وقت مدرسہ میں دو سو سے زیادہ طلبہ کا قیام رہتا تھا۔ اس کے علاوہ علاقہ کے تمام غربا کا علاج مفت کیا کرتے تھے۔ مساوات کا طرزِ عمل یہ تھا کہ ہر روز نمازِ فجر کے بعد ہر ایک کو چائے اور ڈبل روٹی دی جاتی تھی۔ خواہ کوئی کتنا ہی مالدار، ساہوکار، افسر یا بڑا آدمی ہو، سب کے لیے چائے کے کپ ایک جیسے ہی ہوتے تھے۔ گویا مولاناؒ کی طرف سے یہ ایک قسم کی فری ''ٹی پارٹی'' ہوتی تھی، جسے آپ دینی دعوت اور نظریے کے پھیلاؤ کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ وہ اس طرح کہ اسی ''ٹی پارٹی'' کے دوران ہندوستان کے اخبارات کا مطالعہ اور خبروں پر تبصرہ کیا جاتا تھا۔ علی الصبح اخبارات پہنچانے کا اہتمام تھا۔ خاص طور پر روزانہ ''زم زم'' لاہور، ''المدینہ'' بجنور (یوپی)، ''حریت'' دہلی، ''الوحید'' کراچی، ''ریاست'' دہلی، ''آزاد'' کراچی، ''ہندو'' کراچی، ''سنسار سماچار'' کراچی اور دیگر ہفت روزہ اخبارات اور رسالے باقاعدگی سے پڑھے جاتے تھے۔(3)

مدرسہ مظہر العلوم کراچی؛ تحریکِ آزادی کا ایک اہم مرکز

حضرت مولانا محمد صادق نے اپنے ادارہ مدرسہ مظہر العلوم کے اہتمام کی ذمہ داری کو بخوبی اس طرح نبھایا کہ یہ ادارہ نہ صرف تعلیمی مرکز رہا بلکہ سندھ اور ہند کی آزادی کا ایک اہم مرکز ثابت ہوا۔ اس ادارہ کا الحاق آزادی کے بانی مرکز دار العلوم دیوبند سے کرایا اور نصب العین، مقاصد اور دستور العمل میں اس کے تابع کیا۔(4) یہی وجہ ہے کہ حضرت مولاناؒ طلبہ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ ہر ایک پر شفقت کرتے اور ان میں سے اپنا مدعو تلاش کرتے تھے کہ کون آزادی کی تحریک میں کیا کردار ادا کرسکتا ہے؟ ہر ایک طالب علم کی ذہنی و عملی صلاحیت کو جانچتے تھے اور ان کی اس طرح تربیت کرتے تھے۔ کہ ان میں انگریز کے خلاف نفرت اور آزادی کا جذبہ بیدار ہو۔ اس لیے حالات کا گہرائی سے علم رکھنا اور انگریزی علوم سے بہرہ ور ہونا ضروری جانتے تھے۔ آپ نے مدرسے میں انگریزی پڑھانے کے لیے استاذ کا اہتمام بھی کیا۔ مدرسے میں انگریزی کا پیریئڈ لازمی تھا۔ شیخ بشیر احمدؒ اور رکن الدین قاسمی مرحوم انگلش کے ٹیچرز میں سے تھے۔

آپ طلبہ میں سیاسی شعور بیدار کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے اور مدرسے میں اکابرین کے دورہ کا وقتاً فوقتاً اہتمام کیا کرتے تھے۔ جلاوطنی کے بعد امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے مختصر قیام کے ساتھ ساتھ

www.rahimia.org

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ وغیرہم اور دیگر سیاسی رہنما مدرسہ میں تشریف لا چکے ہیں۔

شیخ الہندؒ سے تعلق

مولانا محمد صادقؒ اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ سے قریبی روابط رکھتے تھے اور بعض امور پر مشورہ میں بھی شمولیت ہوتی رہتی تھی۔ امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے تلمیذ رشید اور رفیق سفر مولانا عبد اللہ لغاری مرحوم ایک واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

> حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے جمعیت الانصار کے جشن دستار سے تقریباً ڈیڑھ دو سال بیشتر مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مولانا محمد صادقؒ کھڈہ والے کو دیوبند طلب کیا۔ میں بھی مولانا سندھیؒ کے ساتھ رفیق سفر ہو گیا۔ اس ملاقات کے موقعہ پر مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مولانا محمد صادقؒ دونوں حضرات، حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے بیٹھے تھے اور میں ان دونوں کے پیچھے بیٹھا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ یہ مدرسہ دیوبند 1866ء میں قائم کیا گیا، میں پہلا شاگرد تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس موقعہ پر جو تقریر فرمائی وہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ (انہوں نے فرمایا تھا کہ یہ مدرسہ اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ 1857ء کی شکست کی تلافی کی جائے)
>
> حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ اب یہ مدرسہ اصل مقصد سے ہٹ گیا ہے۔ صرف تدریس کے لیے تو اس قسم کے کئی مدارس قائم ہو گئے ہیں۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ جس سے اس مدرسہ کے قیام کا اصل مقصد پورا ہو۔ اس ادھیڑ بن میں ایک رات میں نے خواب دیکھا۔ سندھ سے ایک شخص آیا ہے جس کی داڑھی خوب گھنی ہے۔ اس نے آ کر اصل مقصد کی طرف رہنمائی کی ہے۔ بیداری کے بعد میں نے غور کیا تو اس وضع قطع کے سندھ میں صرف دو آدمی نظر آئے۔ ایک مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور دوسرے مولانا محمد صادقؒ۔ اس لیے میں نے آپ دونوں کو مشورہ کے لیے بلایا ہے۔ یہ سُن کر مولانا سندھیؒ نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ اس مدرسہ کے تمام فارغ شدہ طلبہ کو چاہے وہ اندرون ہند ہوں یا بیرون ہند، دستار کے جلسے کے لیے بلایا جائے۔ اس اجتماع کے ذریعہ اس مدرسہ کی مرکزی حیثیت اور اہمیت بھی واضح ہو گی اور مدرسہ کی اصل مقصد والی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے تجاویز بھی سوچی جاسکیں گی۔ تب حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا آپ حضرات یہیں ٹھہریں اور اس جلسے کی تدبیر کریں"۔ (5)

"جمعیۃ الانصار" کے اجلاس میں شرکت

چنانچہ 1910ء میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا گیا جس میں ہندوستان کے اطراف و اکناف سے

تقریباً تیس ہزار مسلمان شریک ہوئے۔ جلسہ دستار کے بعد جمعیت الانصار کے اجلاس کی تیاری کی گئی۔ اس کا پہلا اجلاس مراد آباد میں 17,16,15 اپریل 1911ء کو منعقد ہوا۔(6) امام سندھیؒ نے جمعیت الانصار کی تأسیس میں جن ساتھیوں کو شریک کیا، ان میں مولانا محمد صادق ؒ کھڈہ والے سرفہرست تھے۔(7)

انگریز سامراج کے خلاف جدوجہد

اس تنظیم کے قیام کے بعد ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف منظّم بنیادوں پر بڑی تحریک شروع ہوئی۔ اندرون ملک میں جو آٹھ مراکز قائم کیے گئے ان میں ایک مرکز کراچی سندھ اور لسبیلہ تھا جس کے کمانڈر مولانا محمد صادقؒ کھڈہ والے مقرر کیے گئے۔ آپ نے اپنے استاد کے اس پیغمبرانہ مشن کو اپنے قائم کردہ مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی کے ہیڈ کوارٹر سے سندھ و بلوچستان میں قابل تحسین طور پر پھیلایا۔

بلوچستان میں تحریکِ آزادی کی جدوجہد

1914ء میں جنگ عظیم اول کا آغاز ہو چکا تھا اور دنیا دو حصوں میں منقسم ہوگئی تھی۔ ایک طرف جرمن، آسٹریا اور ترکی تھے تو دوسری طرف فرانس، انگلینڈ، روس اور امریکا وغیرہ تھے۔ ترکی افواج انگریز سامراج کی افواج سے عراق میں برسرِپیکار تھیں۔ انگریز فوج کی مدد کے لیے ہندوستان سے فوجیں جارہی تھیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر مولانا محمد صادقؒ نے لسبیلہ بلوچستان میں مینگل قوم کے ذریعہ بغاوت کرادی۔ آپ نے فتویٰ جاری کیا کہ ''انگریز فوج میں بھرتی ہوکر ترکوں سے جنگ لڑنا کفر ہے''۔ اس وقت مینگل قبیلے کے سردار نور الدین مینگل تھے۔ جو مولانا کے نہایت معتقد تھے، مولانا مرحوم کے حکم پر انہوں نے بغاوت کر دی۔ ہندوستان سے تیس ہزار فوج جو کراچی بندرگاہ سے کمک کے طور پر بھیجی جارہی تھی وہ بغاوت کا سدِباب کرنے کے لیے لسبیلہ بھیج دی گئی اور دوسری طرف فتویٰ کی وجہ سے فوج کی بھرتی بند ہوگئی۔ نتیجہ میں عراق میں ترکوں کی فوجوں نے انگریز فوج کو ''کوت العمارہ'' میں محصور کر دیا۔ اور کمک نہ ملنے کی وجہ سے انگریز کی تیرہ ہزار فوجی مارے گئے اور ستر ہزار فوج اپنے کمانڈر جنرل ٹاؤنشینڈ سمیت ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوکر ترکوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئی۔(8)

اس طرح مولاناؒ نے انگریز کو زبردست نقصان پہنچایا۔ بعد میں کسی غدار نے راز فاش کر دیا۔ انگریز نے مولانا محمد صادق ؒ کے ساتھ سردار نور الدین مینگل کو بھی گرفتار کر کے پونا کے قریب ''کارواڑ'' جیل میں تین سال نظر بند کر دیا۔ آپ کی گرفتاری ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت 8 مئی 1916ء کو عمل میں آئی اور 6 فروری 1919ء میں گورنر بمبئی نے کراچی لے جانے کا حکم صادر کیا۔ بعد میں آپ کی رہائی ہوئی۔ مولانا محمد صالح بروہیؒ ''وڈہ والے'' جو کہ اس وقت مدرسے میں مدرس تھے، وہ مولانا مرحوم اور مینگل قبائل کے درمیان رابطہ آفیسر تھے۔ حکومت نے انہیں بھی گرفتار کر کے قید کر دیا۔ ان سب کی گرفتاری کے بعد انگریز نے سازش کے ذریعہ موجودہ مینگل سردار عطاء اللہ

خان مینگل کے دادا رحیم خان کو پس زندان سردار نور الدین مینگل کی جگہ پر سرداری کی دستار دے کر مینگل قبائل کی سرداری پر اسے لا بٹھایا۔ پھر جب مولانا مرحوم اور سردار نور الدین کی رہائی ہوئی تو آپ نے اپنے شاگرد اور خادمِ خاص مولانا رحمت اللہ بروہی کو بلوچستان کے علما کی طرف قاصد بنا کر بھیجا اور انہیں انگریز کے وفادار رحیم خان کے خلاف تحریک شروع کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ علاقے کے علما کے تعاون سے سردار نور الدین مینگل کو دوبارہ سرداری کے منصب پر فائز کیا گیا۔

''جنودِ ربانیہ'' میں شرکت

حضرت امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ جب جلا وطن ہو کر کابل تشریف فرما ہوئے تو اس سات سالہ عرصے میں آپ نے انگریز سامراج کے خلاف بڑے بنیادی کام سرانجام دیے جن میں تین کام خصوصیت کے حامل ہیں:

(۱) ایک انگریز سامراج کو افغانستان کے میدانِ جنگ میں لا کر شکست سے دوچار کرایا اور ان سے افغانستان کی خود مختاری تسلیم کرائی اور افغانستان کو آزادی دلوائی۔

(۲) دوسرے ہم وطن انقلابیوں کو جمع کر کے ہندوستان کی جلاوطن حکومت قائم کی۔

(۳) تیسرے انگریز سامراج کے خلاف اندرون ملک اور بیرون ملک بغاوت کے لیے مراکز قائم کیے اور اس سلسلے میں ''جنودِ ربانیہ'' کے نام سے ایک فوج تشکیل دی۔ مولانا محمد صادقؒ کو اس فوج میں ایک اہم عہدہ پر فائز کیا گیا اور ان کے ادارہ مظہر العلوم کھڈہ کو تحریک کا مرکز بنا دیا گیا۔

''تحریکِ خلافت'' میں شرکت

جب جنگ عظیم اول ختم ہوئی تو ہندوستان معاشی بدحالی کے بھینٹ چڑھا۔ عوام میں بغاوت کی ایک لہر اٹھی۔ مزید برآں اس عالمی جنگ نے ترکی کو تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہ دیا۔ یہ بھی انگریز سامراج کی سازش تھی۔ بایں وجہ ترکی مجبوراً جنگ میں فریق کی حیثیت سے شامل ہو گیا۔ اس کا زیادہ تر اثر ہندوستانی مسلمانوں پر واقع ہوا۔ انہوں نے قومی سطح پر یکجا ہو کر انگریز پر دباؤ بڑھایا تو انگریز نے مکر و فریب سے معاہدے کرا کے ہندوستانی عوام کو مطمئن کر دیا۔ لیکن جنگ کے خاتمے کے بعد وہ اپنے وعدوں سے منحرف ہو گیا۔

ان اسباب کی بنا پر 27 ستمبر 1919ء کو خلافت تحریک کا آغاز کیا گیا۔ 8 جولائی 1921ء میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا ساتواں یا آٹھواں اجلاس کراچی میں ہوا۔ مولانا محمد صادقؒ اس کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین تھے جس میں ہندوستان کے مقتدر علما شریک ہوئے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے فوجی بھرتی اور ملازمت کی حرمت کا فتویٰ اس کانفرنس میں جاری کیا۔ جس کی تائید مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علیؒ نے کی۔ جس کی وجہ سے وہ حضرات گرفتار ہوئے اور ''خالق دینا ہال'' میں ان پر تاریخی مقدمہ چلایا گیا۔ اس کے علاوہ

1942ء میں انگریز کے خلاف جو بحری فوج نے بغاوت کی تھی وہ اگرچہ کامیاب نہ ہوسکی لیکن اس بغاوت کے پیچھے مولانا محمد صادقؒ ہی تھے۔

جمعیت علمائے ہند میں شرکت

سیاسی اور ملی طور پر پورے ہندوستانی باشندوں خصوصاً مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے جمعیت علمائے ہند قائم کی گئی۔ پہلا اجلاس عام 28 دسمبر 1919ء میں امرتسر میں ہوا۔ مولانا محمد صادقؒ اس میں شامل ہوئے۔ اور جمعیت علمائے ہند کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن اور جمعیت علمائے سندھ کے صدر مقرر ہوئے۔

۹،۸ رشوال ۱۳۶۴ھ بمطابق 17,16 ستمبر 1945ء کو آل مسلم پارٹیز کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی۔ جس میں جمعیت علماء ہند بھی شریک ہوئی۔ اس کانفرنس میں طے کیا گیا کہ ایک مشترکہ بورڈ قائم کیا جائے۔ جس کا نام ''آل انڈیا مسلم پارلیمینٹری بورڈ'' ہو اور وہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے جملہ انتظامات کرے۔ اس کے تحت صوبائی بورڈ قائم ہوں۔ اس بورڈ کے 23 ممبر تجویز کیے گئے۔ جن میں مولانا محمد صادقؒ شامل تھے۔ سندھ پارلیمینٹری بورڈ کے صدر مولانا محمد صادقؒ منتخب ہوئے۔ اس بورڈ کے ٹکٹ پر سندھ کے سیاسی لیڈر ممتاز بھٹو کے والد الحاج نبی بخش خان بھٹو اور محمد امین خان کھوسو مرحوم وغیرہ الیکشن میں کامیاب ہوئے۔

1947ء میں ہندوستان کی آزادی اور تقسیم ہند کے بعد جب یہ ملک ظہور پذیر ہوا، اس وقت تک مولانا محمد صادقؒ جمعیت علماء ہند کے رکن اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے۔ علاوہ ازیں سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی بورڈ کے بھی ممبر رہے۔ تقسیم ہند کے بعد 1948ء میں جمعیت علماء اسلام کے کام کو از سر نو شروع کیا گیا تو اس کے پہلے صدر مولانا محمد صادقؒ منتخب ہوئے۔ اور جنرل سیکرٹری مولانا عبدالحنان ہزاروی مرحوم تھے۔ (9)

مولانا سندھیؒ کی معاونت

امام عبیداللہ سندھیؒ نے جلاوطنی سے واپسی کے بعد 28 دسمبر 1939ء میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں بیت الحکمۃ اور بعد میں سندھ ساگر اکیڈمی قائم کی۔ جن کے تحت فکرِ ولی اللہی کا درس امامِ انقلاب خود دیا کرتے تھے۔ مولانا محمد صادقؒ ان امور میں آپ کے معاون تھے۔

انتقال اور تدفین

اپنی مستقل علالت اور ضعیفی کی وجہ سے آپ نے 23 مارچ 1951ء کو مدرسہ کا اہتمام اپنے بھانجے مولانا حافظ فضل احمد کے حوالے کر کے صرف سرپرستی قبول کی اور سیاست سے بھی کنارہ کش ہو کر اپنی سرگرمیاں مدرسہ تک محدود کر دی تھیں۔ بالآخر بیماری کی شدت بڑھتی گئی اور آپؒ نے 18 جون 1953ء بروز جمعرات بوقت ڈیڑھ بجے دوپہر

عالم بقاء کی طرف رحلت فرمائی۔آپ کا مزار مبارک کھڈہ مورڑو کے قبرستان میں واقع ہے۔

مولانا محمد صادقؒ کھڈہ والے جسمانی طور پر ہم سے بچھڑ گئے ہیں، لیکن روحانی طور پر وہ اب بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ان کی درس گاہ، علمی جدوجہد اور عملی کردار زندہ جاوید ہے۔وہ ولی اللہی تحریک کے سلسلۂ فکر وعمل میں ایک لازوال مقام رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ ماہنامہ الصادق (سندھ) کراچی جون، جولائی 1982ء، طبع مدرسہ مظہر العلوم، کھڈہ، کراچی۔

2۔ مولانا محمد میاں، علماءِ حق، حصہ اول، ص۱۱۱، طبع دہلی۔

3۔ ماہنامہ ''الصادق'' سندھ ص۸۲، جون، جولائی 1982ء، طبع مدرسہ مظہر العلوم، کھڈہ، کراچی۔

4۔ (روئداد ۷۰، ۱۷، ۱۳ھ) مدرسہ مظہر العلوم، کھڈہ، کراچی۔

5۔ مضمون: مولانا عبداللہ لغاری، سہ ماہی ''مہران'' حیدر آباد، سوانح نمبر ص۲۷۱، ۲۷۲، طبع حیدر آباد۔

6۔ مولانا محمد میاںؒ، علماءِ حق ج ا ص ۱۳۱، طبع لاہور۔

7۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، نقش حیات، ج ا، ص۱۴۴، طبع لاہور۔

8۔ ایضاً، ص

9۔ ممبر الاسلام، جون، جولائی 1972ء، طبع مدرسہ مظہر العلوم، کھڈہ، کراچی۔

www.rahimia.org

علمی لیکچر

دورِ حاضر میں ولی اللّٰہی فکر کی اہمیت

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں
مدیر اعلیٰ کا ایک علمی، تحقیقی لیکچر

(ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور کے بانی و سرپرستِ اعلیٰ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ 7 اکتوبر 2009ء تا 5 دسمبر 2009ء تک ہندوستان کے علمی، روحانی، تعلیمی اور تربیتی دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ ان کے ہمراہ ''شعور و آگہی'' کے مدیر اعلیٰ جناب مفتی عبدالخالق آزاد صاحب بھی تھے۔ دہلی میں قیام کے دوران قدیم تعلیمی ادارے ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' دہلی میں ایک اہم پروگرام ہوا۔ جس کا اِنعقاد جامعہ ملیہ کے اساتذہ جناب مولانا مزمل الحق قاسمی، جناب پروفیسر راشد الاسلام، جناب پروفیسر شکیل احمد کی اجتماعی کوششوں سے ہوا۔

یہ پروگرام ''ولی اللّٰہی فکر کی دورِ حاضر میں اہمیت'' کے عنوان سے مؤرخہ 3 دسمبر 2009ء کو صبح 10:00 بجے، نہرو گیسٹ ہاؤس کے سیمینار ہال میں منعقد ہوا۔ اس پروگرام کی صدارت محترم جناب پروفیسر بدرالدین الحافظ، سابق صدر شعبۂ علومِ اسلامیہ، ہندو یونیورسٹی، بنارَس نے کی۔ موصوف بڑے طویل عرصے تک ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' میں پڑھاتے رہے ہیں۔ اس پروگرام میں جامعہ کے مختلف شعبوں کے سربراہان، پروفیسرز، طلباء اور علماء نے خاصی تعداد میں شرکت کی، اس پروگرام کو کنڈکٹ کرانے کے فرائض جناب مولانا مزمل الحق قاسمی نے اُردو میں اور جناب شکیل احمد صاحب نے انگلش میں ادا کیے۔ اس تقریب کا آغاز تلاوتِ قرآن حکیم سے ہوا، تلاوت کی سعادت ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' کی جامع مسجد کے خطیب و امام جناب مولانا محمد سلیمان صاحب نے حاصل کی۔ تلاوت کے بعد مذکورہ عنوان پر تقریباً ایک گھنٹہ تک مدیر اعلیٰ ''شعور و آگہی'' نے مفصل علمی اور تحقیقی لیکچر دیا اور آخر میں سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ جس کے بعد صدرِ مجلس نے اپنے تأثرات اور صدارتی کلمات اِرشاد فرمائے۔

ذیل میں اس علمی لیکچر کو ضروری ترتیب و تدوین کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس لیکچر کو مولانا محمد نسیم الدین میواتی نے ریکارڈ کیا اور مولانا محمد جمیل نے نقل و ترتیب کا کام کیا ہے۔ اُمید ہے یہ لیکچر عصر حاضر میں انسانی معاشروں کو درپیش مسائل کو حل کرنے میں ولی اللّٰہی فکر کی عصری اہمیت اور ضرورت کو اُجاگر کرے گا۔ مدیر)

خطبہ مسنونہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم. اما بعد! فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم. بسم الله الرحمن الرحیم o قال الله تعالیٰ: لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط o وقال تعالیٰ: هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله و کفی بالله شهیدا o وقال النبی صلی الله علیه وسلم: کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء، کلما هلک نبی فخلفه نبی آخر. الا! لانبی بعدی سیکونون بعدی خلفاء فیکثرون. او کما قال النبی صلی الله علیه وسلم. صدق الله العظیم و صدق رسوله الکریم.

اظہارِ تشکر

صاحبِ صدر اور معزز حاضرینِ مجلس!

سب سے پہلے تو میں اس بات پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے شہر ''دہلی'' میں آپ سے مخاطب ہونے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اور دوسرے اس بات پر کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ عظیم الشان ادارے ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' میں مجھے آپ دوستوں سے بات چیت کا موقع مل رہا ہے۔ اس ادارے میں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے بھی ایک خاصا عرصہ گزارا۔ اس ادارے سے وابستہ اساتذہ اور انتظامیہ کا حضرت سندھیؒ سے بڑا خصوصی تعلق رہا ہے۔ میں اس ادارے میں ''دورِ حاضر میں ولی اللّہی فکر کی اہمیت'' کے عنوان سے گفتگو کرتے ہوئے ایک فخر محسوس کر رہا ہوں۔

دورِ حاضر اور اس کے تقاضے

حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اس بات پر بہت غور و فکر کی ضرورت ہے کہ عصرِ حاضر کے بنیادی چیلنجز کیا ہیں۔ اور ان کو حل کرنے کے لیے درست خطوط پر جدوجہد کرنے کی کتنی ضرورت ہے۔ یہ حقیقت ہم سب جانتے ہیں کہ انسانی سماج مسلسل ارتقا پذیر ہے۔ انسانی سماج کا مطالعہ ہمارے سامنے اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ انسانیت کا ایک دور پتھر کا دور کہلاتا ہے۔ جب کہ دوسرا دور وہ ہے، جس میں انسان زرعی پیداواری رشتوں کے ذریعے سے اپنے آپ کو آگے بڑھاتا ہے۔ پھر اگلا دَور وہ آتا ہے، جس میں تجارت کی بنیاد پر پیداواری رشتے وجود میں آتے ہیں۔ اور ان پیدواری رشتوں کے ذریعے سے سماجی تعلقات کی ایک نئی نہج سامنے آتی ہے۔ یوں انسانی معاشروں کی تشکیل تجارتی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔

اس کے بعد حالیہ دور کا آغاز ہوتا ہے۔ آج کا یہ دور نہ صرف صنعتی ترقی کا دور ہے بلکہ دنیا ڈیجیٹل دور میں

www.rahimia.org

داخل ہو کر نئے پیداواری رشتوں کا تقاضا کر رہی ہے۔ اس تناظر میں نئے فکری، سیاسی، سماجی اور اقتصادی پیداواری رشتوں کے تقاضے اُبھر رہے ہیں۔ اب دنیا بھر میں وہ معاشرے ترقی کرتے ہیں، جو اپنے دَور کے چیلنجز کو سامنے رکھ کر اس کے مطابق ایک فکر و نظریہ متعین کرتے ہیں۔ پھر اس کی اساس پر اپنے معاشروں کی سیاسی اور معاشی تشکیل کرتے ہیں۔

سماجی تشکیل کے بنیادی اُمور

ماہرین عمرانیات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسانی سماج کی تشکیل کے تین بنیادی اُمور ہیں:

(ا) کسی قوم کی شیرازہ بندی کرنے کے لیے ایک فکر و فلسفہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو کہ اس خطے میں بسنے والے تمام افراد کے درمیان وحدتِ فکری پیدا کرتا ہے۔ پھر اس فکر کی اَساس پر تمام اداروں کی تشکیل کا عمل آگے بڑھتا ہے۔ خاص طور پر اس فکر و فلسفہ کی اساس پر سیاسی نظام وجود میں لایا جاتا ہے۔ اور اسی فکر و فلسفہ کی اساس پر معاشی اور اقتصادی نظام وجود میں لایا جاتا ہے۔

(۲) معاشرتی تشکیل کا دوسرا پہلو یہ ہوتا ہے کہ اس فکر و فلسفہ کی اساس پر ایک سیاسی نظام قائم کیا جائے۔ جس کے نتیجے میں اس علاقے میں رہنے والے تمام انسانوں کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کا مکمل بندوبست کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے حکمران ادارے تشکیل دیے جاتے ہیں۔ فلسفۂ سیاسیات ہمیں اس بات کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ کہ حکمران ادارے اسی لیے تشکیل دیے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ اُس جغرافیائی حدود میں بسنے والے انسانوں کو ان کے داخلی دشمنوں یعنی چوروں ڈاکوؤں اور قاتلوں سے بچائیں۔ اور خارجی دشمنوں یعنی سامراجی دست برد کرنے والے استحصالی ممالک کے جبر و ظلم سے انہیں حفاظت فراہم کریں۔

(۳) اسی طرح معاشرتی تشکیل کا تیسرا پہلو معاشی اور اقتصادی نظام کے قائم کرنے سے ہوتا ہے کہ جس کے تحت اس جغرافیائی حدود میں بسنے والے انسانوں کے لیے معاشی، اقتصادی وسائل کی پیدائش کے عمل کو متوازن طریقے سے آگے بڑھانا اور پھر دستیاب وسائل کی منصفانہ تقسیم، اس کے تبادلے اور اس کے استعمالات اور صَرف کے عمل کو عدل و انصاف کے حوالے سے آگے بڑھانا ہوتا ہے۔

انہی تین اُمور کو سامنے رکھ کر کام کرنے میں ہی دراصل قوموں کی ترقی کا راز ہوتا ہے۔ انسانی سماج کی تشکیل کے یہ تین اُمور ہمیشہ انسانیت کے سامنے رہے ہیں اور ہر دور کے انسانوں نے ان کی روشنی میں اپنے لیے ایک لائحہ عمل متعین کیا ہے۔

دورِ حاضر کے نظامہائے حیات

دورِ حاضر کے نظاموں کو اگر دیکھا جائے تو اس وقت دنیا میں دو نظامہائے حیات موجود ہیں:

www.rahimia.org

(ا) ایک طرف سرمایہ داری نظام ہے جو کہ سرمایہ دارانہ فکر و فلسفے کی بنیاد پر اپنا نظام تشکیل دیتا ہے۔ یعنی اس کے نزدیک ''سرمایہ'' اصل ہے اور انسانیت ''سرمایہ'' کے تابع ہو کر اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ چنانچہ اسی سرمائے کی اساس پر انہوں نے اپنے سیاسی ادارے بھی تشکیل دیے ہیں اور اپنا اقتصادی ڈھانچہ بھی تشکیل دیا ہے۔ ایسے ممالک میں جہاں سرمایہ داری نظام قائم ہے۔ تمام سیاسی اور اقتصادی ادارے ''سرمایہ'' کی نشو و نما، اس کے ارتقاء اور اس کے پھیلاؤ، اور اس کے منافع اور ریٹرن کے حصول کے لیے کردار ادا کرتے ہیں۔ اور انسانیت کو ''سرمایہ'' کے مفادات کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

(۲) اس کے مقابلے میں دوسرا نظام سوشلزم کا ہے۔ جس نے 'فلسفۂ جدلیت' کی اساس پر اپنا ایک فکر و فلسفہ تشکیل دیا ہے۔ اور پھر اسی کی اساس پر اشتراکیت پر مبنی سیاسی اور اقتصادی نظام تشکیل دیا ہے۔ جس میں انسانی محنت کو بنیاد قرار دے کر سرمایہ کے استعمال کے اجتماعی اور اشتراکی طریقہ کار کو لازمی اور ضروری قرار دیا ہے۔ اور یوں جدید دور کے پیداواری رشتوں کو نئے سماجی تعلقات استوار کرنے کے لیے استعمال کیا ہے، اشتراکی ممالک نے اس فکر و فلسفہ کی اساس پر اپنے لیے ایک سماج کی تشکیل کی ہے، اور مادی ترقی کے اقدامات کیے ہیں۔

انسانیت پر ان دو نظامہائے حیات کے تسلط کی وجہ سے انسانی مسائل حل نہیں ہوئے۔ اور انسانیت انتہائی ضیق اور تنگی کی حالت میں ہے۔

مسلمان معاشروں کا جائزہ

جب مسلمان جماعت کے حوالے سے ہم گفتگو کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس جماعت کا اس بات پر پختہ یقین اور اعتماد ہے کہ حضورؐ آخری نبی ہیں۔ اور ان کی تعلیم قیامت تک کے لیے حتمی ہے۔ اور قرآن حکیم انسانی سماج کی تشکیل کے لیے وہ عظیم الشان کتاب ہے جو کہ انسانی مسائل کو حل کرنے کا ایک کامیاب نسخہ ہے۔ جس سے نہ صرف دنیا کی کامیابی حاصل ہوتی ہے، بلکہ آخرت کی کامیابی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اب مسلمان جماعت کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ اسے انہیں سمجھنا ہے۔ نیز دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر ان کو حل کرنے کے لیے درست جدوجہد کا راستہ اختیار کرنا ہے۔

اس تناظر میں اگر ہم اپنے مسلمان معاشروں کا جائزہ لیں تو بلا مبالغہ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ ہم مسلمان انہی تین اُمور فکری، سیاسی اور اقتصادی نظریہ و فکر اور عملی نظام کے حوالے سے شدید بحران کا شکار ہیں:

(ا) پہلا بنیادی مسئلہ ہمارے فکری انتشار کا ہے، کہ ہم بحیثیت مجموعی سماجی تشکیل کے حوالے سے کسی ایسے فکر اور فلسفے پر متفق نہیں ہیں۔ جس سے انسانی سماج کی شیرازہ بندی ہوسکے۔ یعنی انسانی سماج کی اجتماعی تشکیل کے حوالے سے ہمارا کیا فکر اور نظریہ ہونا چاہیے۔ اس پر اتفاق نہیں ہے۔ اگرچہ مذہبی عقائد: توحید، رسالت اور آخرت

جیسے بنیادی اُمور پر ہم متفق ہیں، لیکن انسانیت کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی تشکیل کا بنیادی فکر اور فلسفہ کیا ہے، اس پر ہم نے اجتماعی طور کوئی متفقہ رائے قائم نہیں کی۔ اور یوں ہم وحدتِ فکری سے محروم چلے آرہے ہیں۔ قرآن حکیم انسانی معاشروں کی تشکیل کے اساسی افکار ونظریات کیا بیان کرتا ہے، اس پر کما حقہ توجہ نہیں دی گئی۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سیاسی نظام کی تشکیل کن اُمور پر ہونی چاہیے۔ اس حوالے سے ہمارے ہاں قرآنی اصولِ سیاست کا مطالعہ نہیں ہے۔ حکمران اداروں کی تشکیل کے حوالے سے بنیادی اُصولوں کا کوئی تعین نہیں کیا گیا۔ ہر ایک مفکر، دانشور اور سیاست دان اپنے خیالات کے مطابق معاشرے کی سیاسی شیرازہ بندی کے اصول بیان کر رہا ہے۔ یوں سیاسی تشکیل کے بنیادی اُمور پر اختلاف اور تنوع پیچیدہ شکل اختیار کر چکا ہے۔ ساٹھ کے قریب مسلمان ممالک میں رائج سیاسی نظام اس بات کا واضح ثبوت پیش کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا مسئلہ اقتصادی نظام کی تشکیل کے حوالے سے ہے۔ اقتصادیات کے میدان میں اَفکار و خیالات میں بڑا انتشار پایا جاتا ہے اور وہ اقتصادی نظام کی تشکیل کے حوالے سے بنیادی اُصول کو متعین نہ کرنے کا ہے۔ چنانچہ معاشی نقطۂ نظر سے ہمارے معاشروں میں دو تین طرح کی انتہا پسندانہ سوچ پائی جاتی ہے۔ ایک طرف مذہبی طبقہ ہے جو معاشی نقطۂ نظر سے اِمارت وغربت کو تقدیر کے حوالے کر کے مطمئن ہوگیا ہے۔ اور ان کا خیال ہے کہ چونکہ نوشتۂ تقدیر کو ہم بدل نہیں سکتے۔ اس لیے معاشی اور اقتصادی حوالے سے گفتگو کرنا وقت کا ضیاع اور ''دنیا داری'' ہے۔ دوسری طرف وہ طبقہ ہے جس کا مطمح نظر محض مادی دولت کا اکٹھا کرنا ہے۔ اور اقتصادی حوالے سے آسودہ حال ہونا ہے۔ خواہ اخلاقی دائرے میں وہ عمل کتنا ہی انسانیت دشمن کیوں نہ ہو۔ گویا اعتدال وتوازن اس حوالے سے بھی مفقود ہے۔ بلکہ اَلمیہ یہ ہے کہ مسلمان معاشروں میں سرمایہ داری نظام کا تسلط ہے اور اس کا جبر واستحصال انسانیت کو اپنے بنیادی انسانی شرف سے محروم کر رہا ہے۔

بحران کی نوعیت کا تجزیہ

اس تمام صورتحال کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان معاشروں میں معاشی فکر اور اقتصادی نظام میں عدل وانصاف نہیں ہے۔ سیاسی فکر اور نظام میں اجتماعی نقطۂ نظر سے اداراتی بنیادوں پر اُمور سرانجام دینے کی بجائے شخصی آمریت اور عدمِ مشاورت کا عمل دخل ہے۔ اور فکر وفلسفے کے حوالے سے کوئی فکری اور نظریاتی وحدت نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ہم نظریاتی انتشار اور فکری ژولیدگی کا شکار ہیں بلکہ سیاسی طور پر آزادی وحریت اور اَمن وتحفظ سے محروم ہیں۔ اور اقتصادی طور پر زوال اور مفلسی کی حالت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ اَب دیکھنا یہ ہے کہ یہ بحران کس نوعیت کا ہے۔ جب تک اس بحران کا گہرائی میں جا کر تجزیہ نہ کیا جائے، اس وقت تک ہم اپنے سامنے رہنماء اصول متعین نہیں کر سکتے۔

www.rahimia.org

فکری انتشار کی نوعیت

اگر ہمارے معاشروں کا تجزیہ کیا جائے تو فکر و فلسفہ کے حوالے سے ہمارے ہاں دو طرح کی انتہاء پسندانہ سوچ موجود ہے۔ جب ہم نے انسانوں کا مطالعہ کیا تو ہمارے ایک طبقے کی طرف سے یہ کہا گیا کہ انسان صرف ''رُوح'' کا نام ہے۔ اس کی روحانی غذا کو پورا کرنے کے لیے عبادات کا نظام وضع ہونا چاہیے۔ عبادات اور اصلاحی نظام پر تو ہم نے بہت گفتگو کی اور اصلاح کے لیے بہت سارے نسخے تجویز کیے اور انسانوں کو کچھ وظائف اور رسومِ حیات بتلائے۔ عبادات کا طریقہ بتایا۔ اس کے علاوہ بہت سی اصلاحی تحریکات بھی برپا کیں۔ جس کا نتیجہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا نوجوان عبادات میں پختہ ہو جائے اور اس کی روح ترقی کرے۔

اس مکتبہ فکر میں جو انتہا پسندانہ سوچ پائی جاتی ہے وہ یہ کہ ان لوگوں نے انسانی جسم کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے سیاسی اور معاشی نظام کی ضرورت کا انکار کر دیا۔ گویا کہ ہم نے انسان کو محض ''روحانی وجوذ'' سمجھ کر اس کے روحانی اَمراض پر تو بہت توجہ دی لیکن انسان کے جسمانی اور مادی تقاضوں کی تکمیل کیلئے کوئی نظریہ اور سوچ اپنے سامنے نہیں رکھا۔ ہمارے ہاں عام طور پر جو مذہبی ذہن پایا جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر سیاسی کام کرنا، سیاسی نظام تشکیل دینا، دنیا داری قرار دے دیا گیا ہے۔ اس گروہ کے ہاں معاشی مسائل پر گفتگو کرنا درحقیقت تقدیر میں مداخلت کرنا ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے ''چوں کہ اللہ نے مقدر میں لکھ دیا ہے کہ ہم نے ذلت اور غلامی قبول کرنی ہے، اس لیے تقدیر کا لکھا قبول کرنا چاہیے۔'' اس کے علاوہ باقی دنیا داری کے معاملات ہیں اور ان معاملات کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔

رجعت پسند مذہبی طبقات نے انسان کو محض روح سمجھ کر جو فکر پیش کیا ہم نے شعوری یا لاشعوری طور پر اس کو اپنا لیا ہے۔ عملی طور پر ہمارا مذہبی نمائندہ عبادات اور روح کی غذا کی بات تو زور دار انداز میں کرتا ہے لیکن سیاسی اور معاشی مسائل کو حل کرنے اور سماجی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے قرآن حکیم کا نقطۂ نظر نہیں پیش کرتا ہے۔ اس حوالے سے اس کی خانقاہ میں، اس کے دینی مرکز میں کوئی سوچ اور فکر نہیں ہے۔ اور اس کے تعلیمی ادارے میں اس مقصد کے لیے نہ تو نصاب تعلیم وضع کیا گیا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی طریقہ کار وضع کیا گیا۔ اگر اقتصادی اور معاشی چیلنج درپیش ہو تو اس کو حل کرنے کا طریقہ کار کیا ہوگا اور اگر سیاسی چیلنج درپیش ہے تو اس کو حل کرنے کا طریقہ کیا ہوگا۔ اس پر کوئی نظریہ اور جدوجہد نہیں ہے۔ ہم نے تو صرف آخرت کے مسائل کو سامنے رکھ کر ان کو حل کرنے کے لیے اور روح کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے کردار ادا کرنا ہے۔ یہ ایک انتہا پسندانہ نقطۂ نظر ہے۔

دوسری طرف وہ انتہا پسندانہ طبقہ ہے جو کہ دو اڑھائی سو سالہ انگریز سامراج کے دورِ غلامی میں پیدا ہوا، جب کہ مسلمان معاشرے عالمی سامراج کے زیر تسلط رہے۔ اس کے نتیجے میں جو دوسری سوچ پیدا کی ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ

www.rahimia.org

انسان محض سماجی جانور (Social Animal) ہے۔ اور اس کے بنیادی تقاضے یہ ہیں کہ اس کے سیاسی اور معاشی حقوق اور جسمانی آسائشات کا تو مکمل اہتمام کیا جائے۔ مادی نقطۂ نظر سے اس کی ضروریات کو پورا کرنے کا نظام وضع کیا جائے۔ ان کے خیال میں یہ ہے کہ جو نظام ہمارے جسمانی تقاضوں کو پورا کرے۔ ہم نے اس کو تسلیم کرنا ہے۔ اس طرح انھوں نے روح کے تقاضوں کا انکار کر دیا۔ اس فکر کے نتیجے میں مادیت کا غلبہ پیدا ہو گیا اور روح اس کے نیچے دَب کر رہ گئی۔ روح کی غذا یعنی عبادات کی تکمیل، روح کا اللہ سے تعلق پیدا کرنا اور آخرت کے مسائل یہ سب بھلا دیا۔ یہ دوسری انتہا پسندانہ سوچ ہے۔ اس سوچ کے نتیجے میں ہمارے حکمران طبقات کے پیش نظر مفادات کا حصول ہے۔ خواہ وہ کسی طریقہ سے ہو۔ خواہ ذلت، رسوائی اور بھیک مانگنے سے ہو۔ انہوں نے مفادات کو حاصل کرنا ہے۔ تا کہ حیوانی تقاضوں کی تکمیل ہو جائے۔ باقی رہا روحانی تقاضوں کی تکمیل کا معاملہ تو اس کے لیے نہ ان کے پاس فکر ہے اور نہ وقت ہے۔ نہ اس کے لئے کوئی نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم ہے۔ اور نہ ہی اس حوالے سے کوئی تربیت کا نظام ہے۔ اور جدید تعلیم کے نام پر جو کچھ پڑھایا جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر بھی صرف حیوانی تقاضوں کی تکمیل کرنا ہے۔

سیاسی حوالے سے انتہا پسندانہ سوچ

اسی طرح اگر ہم سیاسیات کے میدان میں جائیں تو اس میں بھی دو انتہاء پسندانہ سوچیں موجود ہیں ایک گروہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ سیاست کا تعلق ''دنیا'' سے ہے۔ دین کے بنیادی تقاضوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کے نزدیک دین محدود دائرے کی چیز ہے۔ ان کے خیال میں سیاست ''دنیاداری'' کا عمل ہے، اور پھر ان کے نزدیک مسلمان ممالک میں سیاست کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے اس کا دین سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

سیاسی نقطۂ نظر سے جو دوسرا انتہا پسندانہ فکر ہمارے ہاں پایا جاتا ہے۔ اس کا تعلق سیاسی تشکیل کے حوالے سے شخصی آمریت کا ہے۔ ان کے نزیک حکمران اداروں کی تشکیل کا تصور شخصی حکمرانی کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ جب کہ اجتماعی بنیادوں پر سیاسی اداروں کی تشکیل کا تصور ہمارے حکمران اداروں میں موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارا نوجوان اگر سیاست کی تعلیم بھی حاصل کرتا ہے تو وہ سامراجی، نوآبادیاتی اور یورپ کی غلامی کے نقطہ نظر سے کرتا ہے۔ اگر عملی سیاست میں حصہ لیتا ہے تو وہ انگریز سامراج کے نوآبادیاتی دور کے فرسودہ نظامِ سیاست میں حصہ دار بنتا ہے، جس کا مقصد مکروفریب دے کر محض اپنے مادی مفادات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔

معاشی حوالے سے انتہا پسندانہ سوچ

یہی ہماری سوچ معاشی نظام کے حوالے سے ہے۔ ایک طرف وہ طبقہ ہے جس نے معاشی معاملات کو مقدر جان کر اپنی معاشی ذلت و افلاس پر قناعت اختیار کر لی ہے۔ دوسری طرف معیشت کے نام پر ہمارے مسلمان ملکوں میں جو کچھ نافذ العمل ہے، وہ سرمایہ داری نظام ہے۔ 1947ء سے قبل برطانیہ کے معاشی نظام کے زیر تسلط زندگی

بسر کرتے تھے اور اب ہمارے نوجوان ملٹی نیشنل کمپنیوں کا نظام چلا کر ان کے آلۂ کار ہونے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس نوجوان کا اقتصادی نقطۂ نظر سے اپنا سکول آف تھاٹ کیا ہے؟ قرآنی اصول معاشیات کیا ہیں؟ اور قرآنی فکر انسانی مسائل کو کیسے حل کرتا ہے؟ اس حوالہ سے اس کے پاس کوئی فکر اور نالج نہیں ہے۔ وہ اپنے نام کی شناخت میں، اور اپنی رسومات میں اور اپنی عبادات میں تو مسلمان ہے لیکن جب وہ معیشت کے میدان میں کام کرنے کے لیے جاتا ہے تو وہ سرمایہ داری نظام یا سوشلزم میں کام کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس کا اپنا فکر اور نظریہ کیا ہے؟ اس حوالہ سے اس کے پاس کوئی سوچ نہیں ہے۔

یہ ہے اصل میں عصر حاضر کا بحران۔ اس بحران کی گہرائی دیکھئے! کہ نہ ہمارے فکر ونظریے میں دینی حوالے سے پوری یکسوئی ہے۔ نہ سیاسی شعور موجود ہے۔ اور نہ ہی معاشی اطمینان و ترقی کی کوئی سوچ موجود ہے۔ حال آں کہ قرآن حکیم نے کامیاب معاشروں کے لیے کہا ہے کہ وہ: كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ (۱۱۲:۱۶) (امن وامان والے ہوں اور معاشی طور پر ایسے مطمئن ہوں کہ انھیں ہر سمت سے رزق فراوانی سے حاصل ہوتا ہو۔) ایسے حالات میں سوال اُٹھتا ہے کہ ''پس چہ باید کرد؟۔

ولی اللہی جماعت اور اس کی اہمیت

اب سوال یہ ہے کہ اس بحران کو حل کرنے اور اس سے نکلنے کا درست طریقہ کار کیا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس دور کی ایک عظیم الشان شخصیت ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر مولانا عبیداللہ سندھیؒ تک ولی اللہی جماعت کا ایک تسلسل ہے۔ اس تسلسل میں امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رشید احمد گنگوھیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، یہ سب ولی اللہی فکر اور تحریک کی اہم شخصیات ہیں۔ عصر حاضر کے ان چیلنجز کے حوالے سے قرآنی فکر وشعور کی بنیاد پر ان حضرات کا فکر اور نظریہ کیا ہے؟ اور قرآنی اصولِ سیاسیات، اصولِ معاشیات اور اصولِ عمرانیات کو انھوں نے کس طرح سمجھا ہے؟ اس کو آج کے دور میں جاننے کی ضرورت ہے۔

ولی اللہی فکر وفلسفہ

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایک ایسی کتاب تحریر فرمائی ہے جو نہ صرف اپنوں، بلکہ غیر مسلموں سے بھی خراجِ عقیدت قبول کر چکی ہے۔ وہ عظیم الشان کتاب ''حجۃاللہ البالغہ'' ہے۔ جس میں دین اسلام کا فلسفہ اور ''علم اسرار الدین'' کے بنیادی تقاضے اور دین اسلام کے مکمل نظام پر شاہ صاحبؒ نے گفتگو کی ہے۔

www.rahimia.org

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس کتاب میں سب سے پہلے دینی نقطۂ نظر سے جس حقیقت کی نشاندہی فرمائی ہے، وہ یہ کہ کائنات کیا ہے؟ اور پھر اس کائنات کے ساتھ انسان کا رشتہ کیا ہے؟ اور خود انسان کیا ہے؟ اور انسان کے نوعی اور فطری تقاضے کیا ہیں؟ اور ان تقاضوں کی تکمیل کا درست طریقہ کار کیا ہے؟ مذکورہ کتاب بنیادی طور پر دو قسموں پر مشتمل ہے۔ پہلی قسم میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے قواعد کلیہ بیان فرمائے ہیں۔ جس میں انسانی سماج کی تشکیل کے بنیادی قرآنی اصول وقواعد اور مسلمات کو بیان فرمایا ہے۔ اور دوسری قسم میں ان قواعد واصول کی بنیاد پر ''کتاب الایمان'' سے لے کر ''کتاب الفرائض'' تک انسانی زندگی کے جتنے بھی شعبے ہیں ان تمام میں حضور ﷺ کا قائم کردہ عملی نظام پیش فرمایا ہے۔

انسان؛ ملکیت و بہیمیت کا مجموعہ

کائنات — جسے ''شخص اکبر'' کہا جاتا ہے — پر گفتگو کرنے کا تو یہ موقع نہیں۔ اس کے لیے الگ سے کسی وقت تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ یہاں ہم صرف انسان کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ اس کائنات میں انسان — جسے ''شخص اصغر'' کہا جاتا ہے — کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ نے اَحسن تقویم فرمایا ہے۔ یہ حضرتِ انسان شاہ صاحب کے نزدیک بیک وقت دو قوتوں کا مجموعہ ہے: ملکیت اور بہیمیت یعنی روح اور جسم دونوں کے مجموعے سے انسان وجود میں آتا ہے۔ یعنی انسان کے بنیادی تقاضے روحانی بھی ہیں اور جسمانی بھی ہیں۔

اب روحانی اور جسمانی تقاضوں کو بیک وقت پورا کرنے سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اگر صرف روح کے تقاضوں کی تکمیل کی بات کی جائے اور جسمانی تقاضوں کو نظرانداز کر دیا جائے تو شاہ صاحبؒ کے نزدیک یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے جو کہ انسانیت کے لیے نقصان دِہ ہے۔ اسی طرح شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی معاشرے میں مادیت اور بہیمیت غالب آجائے اور اس کے روحانی تقاضوں کو نیست ونابود کر دیا جائے تو یہ دوسرا بڑا فتنہ ہے۔ اس کے نتیجہ میں انسانی سماج ترقی کرنے سے محروم ہوجاتا ہے۔ شاہ صاحبؒ کے نقطۂ نظر سے یہ دونوں نظریے دراصل انتہا پسندانہ ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے ایک دوسری کتاب تحریر فرمائی ہے جس کا نام ''سطعات'' ہے، اس میں بھی اس کائنات اور انسان پر بحث فرمائی ہے اور اس میں اس حقیقت کی نشاندہی فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرتِ انسان کو پیدا فرمایا اور اس پر اپنی تجلی ڈالی تو اس سے بہت سے شرارے پھوٹے۔ جس سے انسان کے روحانی تقاضوں کی تکمیل کے بنیادی اُمور بھی ظاہر ہوئے اور اسی طرح اس کے جسمانی تقاضوں کی تکمیل کے اُمور بھی واضح ہوئے۔ ان دونوں تقاضوں کی تکمیل کے لیے قانون کا ایک مجموعہ تشکیل دیا۔ جس کا نام شریعتِ مقدسہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام اس شریعت مقدسہ کو لانے والے ہیں۔ چنانچہ شریعت کے اصولِ دین حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضورؐ تک یکساں ہیں۔

www.rahimia.org

البتہ شریعت کا عملی نظام دور کے تقاضوں کے مطابق تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

فلسفہ ولی اللّٰہی میں ''اَخلاقِ اَربعہ'' کی اہمیت

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم کی تعلیمات دراصل انسان کے دونوں اَجزا (یعنی روحانی اور جسمانی) کے تقاضوں کی تکمیل کرتی ہیں۔تمام عبادات اور روحانی ترقی کا نتیجہ انسانیت کے چار بنیادی اخلاق کی صورت میں ظاہر ہونا چاہیے۔ان میں سے پہلا بنیادی خُلق ''طہارت'' اور پاکیزگی کا ہے۔دنیا کے ہر مذہب میں طہارت کو ایک بنیادی خلق کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔البتہ اس طہارت کا سب سے بہترین اور عمدہ طریقہ پوری جامعیت کے ساتھ دینِ اسلام کی تعلیمات میں پایا جاتا ہے۔طہارت اور پاکیزگی انسانی فطرت ہے۔اس کی تکمیل کے لئے تمام عبادات کی جاتی ہیں۔اور یہ روح کی غذا ہے کہ اس میں طہارت اور پاکیزگی پیدا ہو جائے۔

دوسرا بنیادی خُلق ہے ''اِخبات الی اللہ'' جس میں انسان اُس ذات کے آگے اپنا سر جھکاتا ہے جس نے انسان کو اس کائنات میں پیدا کیا اور زندگی گزارنے کے مواقع پیدا کیے۔انسان کے اندر اِخبات الی اللہ (اللہ کی طرف رجوع) کا جذبہ پیدا ہونا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔اور دنیا کے ہر مذہب میں یہ خلق بھی کسی نہ کسی درجے میں پایا جاتا ہے۔حضرت نانوتویؒ نے اپنی ایک تقریر ''تقریرِ دلپذیر'' میں اَخلاقِ اَربعہ پر بات کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی بڑی طاقت کے سامنے عجز و انکساری کا عمل ہر مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے۔لیکن باقی سارے مذہبی تصورات اس خلق کے حوالے سے ناقص ہیں۔جب کہ دینِ اسلام اور قرآن حکیم کا ''اخباتِ الی اللہ'' اور توحید کامل کا تصور جامع ترین ہے۔

تیسرا بڑا خُلق جو کہ انسانی روح کی تکمیل کے لئے ضروری ہے وہ ''سماحتِ نفس'' ہے۔اور سماحتِ نفس کا مطلب انسانیت میں آزادی اور حریت کا پیدا ہونا اور غلامی کو کسی صورت قبول نہ کرنا ہے۔نیز سماحتِ نفس کے نتیجے میں انسان میں پستیٔ اَخلاق کے بجائے بلندیٔ اَخلاق، وقار اور عزت کا پیدا ہونا ہے۔اس کے ذیل میں بہت سارے اَخلاق آجاتے ہیں۔جیسے سخاوت، عفت و عصمت، صبر و استقامت اور سچائی وغیرہ کا ہونا۔

چوتھا بنیادی خُلق جو کہ روح کی تکمیل کے لئے ضروری ہے وہ ''عدالت'' ہے۔یعنی ایسا ملکۂ عدالت پیدا ہو جائے کہ جس کے نتیجے میں کوئی خاندان، قوم، حکومت یا بین الاقوامی سطح کا نظام، عدل و مساوات کی بنیاد پر آسانی اور سہولت کے ساتھ چلایا جاسکے۔اس کو ملکۂ عدالت کہا جاتا ہے۔بین الاقوامی سطح پر عالمی نظام قائم کرنے کے لئے اس خُلق کی بہت اہمیت ہے۔اس خلق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا کہ ''ہم نے تمام انبیاء کو مبعوث کیا اور ان کو کتابیں دیں تا کہ تمام انسان عدل پر قائم ہو جائیں''۔(۵۷:۲۵)

امام شاہ ولی اللہؒ کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ تمام عبادات کا مقصد ان چار اَخلاق کا حصول ہے۔اگر عبادات کے نتیجہ میں یہ اخلاق پیدا نہ ہوں تو ہمیں ان اعمال کے بارے میں فکر مند ہونا چاہیے۔آپ دیکھیں ایک چھوٹی سی سورت

www.rahimia.org

"ماعون" میں فرمایا گیا کہ "کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو قیامت کا انکار کرتا ہے اور یتیم و مسکین کو دھکے دیتا ہے۔ ایسا آدمی نماز تو پڑھتا ہے لیکن اس کی نماز کا نتیجہ اخلاق کی صورت میں نہیں نکلتا۔ لہٰذا ایسا آدمی درحقیقت انصاف کا منکر ہے"۔ (۱۰۷:۱تا۴) تمام صوفیا کی جدوجہد اَخلاق کو درُست کرنے کے حوالے سے ہے۔

پھر شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اخلاق کے حوالے سے بھی بڑی عمدہ گفتگو فرمائی ہے کہ اخلاق کیا ہوتے ہیں؟ اور اعمال کیا ہوتے ہیں؟ اعمال کے نتیجہ میں خُلق انسان میں کیسے پیوست ہوتا ہے اور اس خلق کی اساس پر انسان سے اعمال کیسے ظاہر ہوتے ہیں۔ بُرے اَخلاق سے برے اعمال اور اچھے اخلاق سے اچھے اَعمال ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ تو روح کی تکمیل کے متعلق چار اخلاق شاہ صاحبؒ نے بیان فرمائے ہیں۔

فلسفۂ ولی اللہی میں "ارتفاقاتِ اربعہ" کی اہمیت

نوعِ انسانی میں دوسرا اہم ترین جزو اس کے جسمانی اور مادی تقاضے ہیں۔ ان کی تکمیل کے حوالے سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے چار "ارتفاقات" (انسانی احتیاجات کی تسکین کے لیے سہولتوں پر مبنی نظامات) بیان فرمائے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک انسانی جسم کی تکمیل کے لیے سب سے پہلے "ارتفاقِ اوّل" کی ضرورت ہے۔ یعنی اس ارتفاق میں ایک شخصِ انسانی کی ذاتی تکمیل کے بنیادی اُمور کا تعین کیا گیا ہے اور ان امور کو فطری طور پر سرانجام دینے کا طریقۂ کار انسان کے اندر رکھا گیا ہے۔

انسان کی اجتماعی ضروریات کی تکمیل کی دوسری سطح "ارتفاقِ دوم" ہے۔ جس میں فیملی اور عائلی زندگی کی شیرازہ بندی کے بنیادی اصولوں کا تعین کیا گیا ہے۔ اور تدبیر منزل کا نظام کیسے بہتر انداز میں آگے بڑھ سکتا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس کی وضاحت ہے۔

انسانی ضروریات کی تکمیل کی تیسری سطح "ارتفاقِ ثالث" ہے۔ جس میں قومی سطح کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام اور اس کے بنیادی اُمور کا تعین کیا گیا ہے۔ اور اس بات کی وضاحت ہے کہ یہ نظام کیسے بہتر انداز میں قائم ہوگا۔ چناں چہ سیاسی، معاشی اور تہذیبی اصولوں کی وضاحت شاہ صاحبؒ نے ارتفاقِ سوم میں بیان فرمائی ہے۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک معاشروں کی تشکیل کی چوتھی سطح "ارتفاقِ رابع" ہے۔ جس میں یہ بحث کی گئی ہے کہ جب قومیں اور ممالک آپس میں تعلقات قائم کرتے ہیں تو بین الاقوامی نظام وجود میں آتا ہے۔ اس میں قوموں کے درمیان برابری کی سطح پر انسانی برادری کے حقوق کی ادائیگی کا نظام بیان کیا گیا ہے۔ اور ارتفاقِ رابع کو ہی دین کی اصطلاح میں "خلافتِ کبریٰ" کہا جاتا ہے، اس ارتفاقِ رابع کے بنیادی تقاضے کیا ہیں اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کا درست طریقہ کار کیا ہے، شاہ صاحبؒ نے ان اُمور کی نشاندہی کی ہے۔

پھر شاہ صاحبؒ نے اس حقیقت کو بھی واضح کیا کہ حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد عدل وانصاف کی بنیاد پر ذاتی

سطح سے عالمی سطح تک کا نظام قائم کرنا تھا۔شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب "البدور البازغہ" میں ارشاد فرمایا کہ: ''حضور ﷺ اور آپ کی جماعت نے عالمی سطح پر دین کو غالب فرمایا''۔نیز "ازالة الخفاء" میں تحریر کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''قیصر ہلاک ہوگا اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا، کسریٰ ہلاک ہوگا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا''۔بخاری شریف میں حدیث آتی ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: ''میں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سای زمین میری ہتھیلی پر رکھ دی، میں نے اس کے مشرقی اور مغربی ممالک کو دیکھا اور مجھے بتایا گیا کہ تمہاری حکمرانی ان تمام ممالک پر قائم ہوگی''۔گویا دین اسلام کو عالمی سطح پر غالب کرنا درحقیقت آپ ﷺ کی بعثت کے اساسی مقاصد میں سے ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم کی تعلیمات دونوں انسانی پہلوؤں کی تکمیل کی بات کرتی ہیں۔اب صرف روح یا جسم کے تقاضوں میں سے کسی ایک کو تسلیم کر کے دوسری چیز کو نظر انداز کر دینا غلط بات ہے۔دونوں کے مجموعے کا نام ہی انسان ہے۔اور یہی مطلب ''اَحسن تقویم'' (بہترین کمپوزیشن) کا ہے۔دونوں تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہی عالمی سطح کا نظام قائم کرنا ضروری ہے۔شاہ صاحبؒ کے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں ہمیں اس بات کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے کہ انسانیت کے چار اَخلاق اپنے اندر پیدا کرنا دین کا مقصد ہے۔اسی طرح جسم کی تکمیل کے لئے چار ارتفاقات قائم کرنا بھی دین کا اساسی مقصد ہے۔

''کمالاتِ اربعہ'' اور ''شعائرِ اربعہ'' کی اہمیت

پھر شاہ صاحبؒ نے صرف دین کے بنیادی فکر و عمل کا نظام ہی واضح نہیں کیا، بلکہ اس امر کی وضاحت بھی کی ہے کہ انسانیت کی ترقی کے لیے یہ چار اَخلاق اور چار ارتفاقات کیوں ضروری ہیں۔شاہ صاحبؒ نے اس کے پیچھے فلسفہ کی ایک پوری عمارت کھڑی کی ہے اور تمام ممکنہ سوالات کے جوابات دیے ہیں۔اس لیے کہ دنیا کے سامنے کوئی فکر پیش کیا جائے اور اس کی پشت پر فلسفہ کی طاقت نہ ہو تو عقلی طور پر لوگ اس کو قبول نہیں کرتے۔چنانچہ شاہ صاحبؒ نے اپنے فکر کی فلاسفی بیان کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ اس کائنات میں اللہ کے چار کمالات: ''اِبداع''، ''خلق''، ''تدبیر'' اور ''تجلی'' جاری ہیں۔اور اس کے تناظر میں شعائر اَربعہ یعنی "القرآن"، "الکعبه"، "النبی" اور "الصلوٰۃ" پر بڑی سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔جس کی روشنی میں انسانی معاشرے میں مخلوق کے اپنے خالق کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے اُسلوب اور طریقۂ کار کی وضاحت کی ہے۔اسی کے ساتھ ''شخصِ اکبر'' کی تشکیل کے دو پہلوؤں: "طبیعت الکل" اور "نفس الکل" کی حقیقت واضح کی ہے۔اس طرح کائنات کی مکمل فلاسفی پیش کی ہے۔

ولی اللہی فلاسفی دورِ حاضر کے فلسفوں کا جواب

آج انسانیت کو لوٹنے والا سرمایہ داری نظام بھی اپنے فکر کو ثابت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی فلسفہ رکھتا ہے۔

www.rahimia.org

اسی طرح آج سوشلزم پر بات کرنے والا بھی اپنے پیچھے ''فلسفۂ جدلیت'' کی ایک بڑی عمارت رکھتا ہے۔ ان تمام فلسفوں کے جواب کے لئے ضروری ہے کہ ہم امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اس فلسفہ پر غور کریں جو انہوں نے دین کے ایک ہزار سالہ غلبے کے دور کو سامنے رکھ کر بیان فرمایا ہے۔اس کے نتیجہ میں سوشلزم کے فلسفہ کی خامیاں اور سرمایہ داری نظام کے فلسفے کی خرابیاں اور قباحتیں ہمارے سامنے آئیں گی۔ اور دین اسلام کی روشنی میں انسانی زندگی کے لیے ایک جامع فلسفہ بھی ہمارے سامنے آئے گا۔

سیاسی حوالے سے ولی اللہی فکر

انسانی معاشرے کی تشکیل کے فکر و فلسفہ کے بیان کے بعد اس کے سیاسی پہلو پر گفتگو کرتے ہیں۔ اس حوالے سے بھی شاہ صاحب نے بہت عمدہ رہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک کسی معاشرے میں سیاسی نظام کا مقصد اس خطے میں بسنے والے انسانوں کی بغیر کسی تفریق کے جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ اور ان انسانوں کو داخلی اور خارجی دونوں دشمنوں سے امن و امان مہیا کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لیے اجتماعی نقطۂ نگاہ سے اداروں کی تشکیل کر کے عدل و انصاف پر مبنی نظام قائم کرنا ضروری ہے۔ اور یہ نظام باہمی مشاورت اور جمہور کے بنیادی تقاضوں کی تکمیل پر مبنی ہونا چاہیے۔

اب سیاسی حوالے سے ہمارے ہاں جو کمزوری موجود ہے وہ یہ کہ ہم نے کہا کہ خلافت قائم کرنے کے اعلانات کیے۔ اس حوالے سے بات کرتے ہوئے مشاورت اور جمہوریت کی نفی کر دی۔ گویا مشاورت اور جمہوریت کو ہم نے خلافت کے مقابلہ میں لا کھڑا کر دیا۔ اور پھر اس پر کئی جماعتیں وجود میں آئیں۔ جو ''خلافت بمقابلہ جمہوریت'' کا نعرہ لگاتی ہیں اور پھر خلافت کے حوالے سے جو تشریحات ہم نے کیں۔ اس میں بھی یہ کہا کہ ملک کا حکمران طبقہ اپنی شخصی صوابدید کی بنیاد پر سیاسی اور ملکی نظام چلائے۔ چناں چہ اس کا عملی مظاہرہ مسلمانوں کے اٹھاون ممالک میں ہمیں نظر آتا ہے۔ ہم نے اجتماعی نقطۂ نظر سے اداروں کی تشکیل کی بات نہیں بلکہ فردِ واحد کی حکمرانی کو ہم نے قبول کر رکھا ہے۔

جب کہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہر دَور کی سیاسی تشکیل فردِ واحد کی بنیاد پر کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ شاہ صاحبؒ ''البدور البازغۃ'' میں فرماتے ہیں کہ: **"لیس الامام عندنا ھو الفرد الواحد الانسانی فقط"** یعنی ہمارے نزدیک ''امام'' (حکمران) سے مراد صرف فردِ واحد ہی نہیں ہے، بلکہ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: **"اجتماع عقلاء القوم و مبرزیھم"** یعنی قوم کا نظام چلانے کے لئے منتخب اور سربرآوردہ عقل مند لوگ ضروری ہیں جو کہ اجتماعی انداز میں اور ایک ادارے کی شکل میں ملک کا نظام چلائیں۔

پھر ایک خیال یہ بھی پھیلایا گیا کہ خلافت تو صرف تیس سال تک رہی اس کے بعد تو آمریت اور ملوکیت کا نظام قائم ہو گیا۔ بعض ''اسلامی'' سکالروں کی جانب سے یہ غلط خیال اور تصور ہمارے معاشروں میں بہت پھیلایا

گیا۔ حال آں کہ آپ دیکھیں کہ سیاسی اصطلاح میں آمریت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی معاشرے میں قانون بنانے اور اس پر عمل درآمد کرانے کی طاقت ایک ہی شخصِ واحد کے پاس ہو۔ اور پھر جو عدلیہ کا کردار ہے یعنی قانون پر عمل درآمد کے حوالے سے چیک رکھنا۔ یہ کام بھی وہی ایک فردِ واحد کرے۔ گویا کہ مقنّنہ، انتظامیہ اور عدلیہ کے اختیارات ایک آدمی کے پاس جمع ہو جائیں تو اس کو آمریت کہا جاتا ہے، اور یہی ملوکیت کہلاتی ہے۔ اب مسلمانوں کے ہزار سالہ غلبے کے زمانے کو دیکھئے! اس میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بادشاہوں نے خود ہی قانون بنایا ہو۔ انتظامیہ اور عدلیہ کی طاقت اور اختیارات بھی خود ہی رکھتے ہوں۔ بلکہ قرآن حکیم ایک مستقل قانونی بنیاد رکھتا ہے پھر اس پر قانون سازی فقہائے کرام کرتے رہے اور انہی کی جدوجہد سے مکمل قانونِ شریعت وجود میں آیا۔ خود فقہ حنفی چالیس جید علماء کے ادارتی عمل کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے۔ البتہ اس پر عمل درآمد کی اتھارٹی اس وقت کا خلیفہ ہوتا تھا۔ اور اس پر چیک رکھنے کی اتھارٹی آزاد عدلیہ کے پاس رہتی تھی جو کہ بادشاہ کو عدالت میں بلا کر سوال بھی کر سکتی ہے۔

اگر قاضی شریح، وقت کے خلیفہ حضرت علیؓ کو عدالت میں بلا کر ان کے مقدمہ کی سماعت کر سکتے ہیں اور ہارون الرشید کو قاضی ابو یوسف اپنی عدالت میں بلا کر عدل و انصاف کر سکتے ہیں تو ہم اس کو ''ملوکیت'' اور ''آمریت'' کیسے کہہ سکتے ہیں؟ ہم نے غلبے کے دَور کے بادشاہوں کی انفرادی غلطیاں تو بہت بیان کیں لیکن سیاسی اور معاشی حوالے سے اس دور کی جو اجتماعی جدوجہد تھی۔ اس پر کوئی بات چیت نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا نوجوان اپنی تاریخ سے نالاں ہے کہ ہماری تاریخ تو ملوکیت کی ہے۔ بادشاہوں کی ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں قوم کا نظام ان میں سے عقل مند لوگ اجتماعی طور پر باہمی مشاورت اور جمہوریت سے چلائیں۔ یاد رہے کہ ایک جمہوریت سرمایہ داری نظام کی ہے کہ جہاں سرمایہ اور جاگیر کی بنیاد پر لوگ منتخب ہو کر آتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے اس سیاسی عمل کو انفرادی مفادات کا اَسیر بنا دیا۔ حال آں کہ یہ ایک اجتماعی عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ داری اور جاگیرداری کی بنیاد پر قائم جمہوریت غلط ہے۔ لیکن باہمی مشاورت اور حقیقی جمہوریت کی اساس پر اجتماعی اداروں یعنی مقنّنہ، انتظامیہ، عدلیہ کے ذریعے سے سیاسی نظام چلانا، دینِ اسلام کا بنیادی تقاضہ ہے۔

اقتصادی حوالے سے ولی اللّٰہی نظریہ

انسانی معاشرے کی تشکیل کا تیسرا اہم پہلو اقتصادیات کے حوالے سے ہے۔ اس سلسلے میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ معاشی وسائل پر چند لوگ قابض نہ ہو جائیں کہ دولت ان کے ہی اندر گھومتی رہے۔ بلکہ معاشرے میں بسنے والے تمام انسانوں کو ان کے حقوق ادا کرنا ضروری ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے: **کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم** (وسائلِ معاش محض مال داروں میں گردش کرتے نہ رہیں) حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''ازالۃ الخفاء'' میں قاضی ابو یوسفؒ کے حوالے سے ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ: ''**هذا معاش**

فالاُسوۃ فیه خیر من الاثُرۃ" یہ معاشی وسائل کی تقسیم کا عمل ہے۔اس میں مساوات بہتر ہے، ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے۔ پھر جب لوگوں نے بیان کیا کہ بدری صحابہ کو ان کی خدمات کے عوض زیادہ دینا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کا جواب یہ دیا کہ: ''یہ جو آپ نے بیان کیا ہے اس کا اَجر تو اللہ تعالیٰ دیں گے''۔اس دنیا کا معاشی نظام تو مساوات پر چلنا چاہیے۔ عدل وانصاف پر قائم ہونا چاہیے۔پھر شاہ صاحبؒ نے معاشیات کے حوالہ سے قرآنی اصول معاشیات کا تعین کیا۔جن کو مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے اپنی کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

خلاصۂ کلام

سیاسی، معاشی، اور فکر وفلسفہ کے حوالہ سے یہ وہ بنیادی فکر وعمل ہے، جس پر ولی اللّٰہی جماعت نے اپنا نقطۂ نظر واضح کیا ہے۔اسی فکر کو امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے جدید انداز میں مرتب فرمایا ہے اور اس پر خاصی محنت فرمائی ہے۔اس کا مطالعہ کرنا اور اس کے بارے میں شعور وآگہی حاصل کرنا دَورِ حاضر کا تقاضا ہے۔اگر ہمارے معاشرے اس فکر اور نظریے پر قائم ہوجائیں، تو دَورِ حاضر کے مسائل کو حل کرنے میں بڑا ممد ومعاون ثابت ہوگا۔

پھر ہم نے یہ بھی سوچنا ہے کہ اس سارے فکر وعمل کو دنیا میں غالب کرنے کا درست طریقہ کار یہ ہے کہ ہم ان اُمور پر عقل وشعور پیدا کریں۔سوالات پیدا ہوں تو ان پر تبادلۂ خیالات کا عمل آگے بڑھنا چاہیے۔سوالات کے جوابات دیے جانے چاہئیں۔اور پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ غلبے کے لیے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ جس کو اپنے نظریے پر اعلیٰ درجے کا عبور ہو۔وہ غلط نظریات سے مرعوب نہ ہو۔کسی ظالمانہ نظام کی آلۂ کار نہ ہو۔ بلکہ وہ جماعت ان تمام اُمور کو مخلصانہ طور پر پورے معاشرے کے لئے قائم کرنے والی ہو۔صرف فلسفہ بیان کردینا کافی نہیں بلکہ اس فلسفہ اور فکر پر ایک جماعت کا شعور وفکر حاصل کرنا اور اس پر عملی کام کرنا بھی ضروری ہے۔

اس حوالے سے حضرت شیخ الہندؒ کا پیغام

جماعت کی تیاری کے حوالے سے آپ دیکھیں کہ جب علی گڑھ کالج میں انگریز کا اَثر ورُسوخ بڑھا اور وہاں قومی سوچ رکھنے والے اَساتذہ اور طلباء نے فیصلہ کیا کہ ہم قومی سطح پر اپنا اَلگ ادارہ قائم کریں تو اس وقت مولانا ابوالکلام آزادؒ وغیرہ قومی رہنماؤں نے حضرت شیخ الہندؒ کو لکھا کہ اس ادارے یعنی ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' کا افتتاح آپ کے ہاتھ سے ہونا چاہیے۔حضرت شیخ الہندؒ نے باوجود ضعف، بیماری اور تکلیف کے دیوبند سے علی گڑھ تک کا سفر فرمایا اور آپ کے اس ادارے کا افتتاح فرمایا۔اس موقع پر اپنے افتتاحی خطبے میں حضرت شیخ الہندؒ ارشاد فرمایا کہ: ''جس غم میں میری ہڈیاں گھل رہی ہیں، اس کے غم خوار اگر مجھے مدارس اور خانقاہوں میں نہیں ملے تو میں نے اَپنا ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا ہے، جو نوجوان باصلاحیت ہیں وہ اس نظریہ کو لے کر آگے بڑھیں''۔ یہ وہ پیغام تھا جو ولی اللّٰہی

فکر و فلسفے اور نظریے کے اہم رہنما حضرت شیخ الہندؒ نے دیا۔ آج اس فکر و فلسفے اور نظریے کو آگے بڑھانے کی بڑی ضرورت ہے۔ اس دور کا تقاضا ہے ہمارے نوجوان ولی اللّٰہی نظریے کو شعوری طور پر ساتھ لے کر چلیں۔ تاکہ دنیا اور آخرت کی کامیابیاں حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

سوالات و جوابات

(مفتی صاحب کے اس لیکچر کے بعد مولانا مزمل الحق قاسمی نے شرکائے اجلاس کو سوالات کی دعوت دی اور صدرِ مجلس نے اس کو کنڈکٹ کیا، چند سوالات اور ان کے جوابات ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں)

سوال نمبر 1: موجودہ دَور میں مسلمانوں کے اٹھاون ممالک ہیں اور ان میں کافی مسلم آبادی پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود مسلمان ذلیل وخوار ہیں۔ ایسے میں خلافتِ کبریٰ کا نظام کیسے قائم ہوگا؟

جواب: اس حوالے سے اَبھی بات ہوئی کہ جب کسی جماعت میں فکری زوال آجاتا ہے اور سیاسی حوالے سے غلام ہوجاتی ہے اور معاشی حوالے سے دوسروں کی دست نگر بن جاتی ہے تو وہ جماعت خواہ کتنی ہی کثیر تعداد میں کیوں نہ ہو۔ کبھی اپنا نظام قائم نہیں کرسکتی۔ اس لیے کہ دنیا میں نظام تشکیل دینے کے کچھ بنیادی اُمور ہوتے ہیں۔ اگر ان اُمور کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے، اور صرف خواہشات رکھی جائیں تو دنیا میں خواہشات سے نتائج نہیں نکلا کرتے۔

اس پر ایک دوسرے پہلو سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ خلافتِ کبریٰ کے بارے میں ہم چاہتے ہیں کہ وہ دنیا میں قائم ہوجائے۔ اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ اب تک دنیا کی تاریخ میں مسلمانوں کی چار خلافتیں رہی ہیں: (۱) خلافتِ راشدہ، (۲) خلافتِ بنواُمیہ، (۳) خلافتِ بنوعباس، (۴) خلافتِ عثمانیہ۔ اُس وقت دنیا میں جتنے بھی مسلمان ممالک تھے وہ بین الاقوامی سطح پر ایک حکمران (خلیفہ) اور ایک نظام کے ماتحت تھے۔ جنگ عظیم اوّل کے بعد خلافتِ عثمانیہ کو تقسیم کرکے ساٹھ چھوٹے چھوٹے ممالک بنا دیے گئے، تو اس کا مقصد آخر کیا تھا؟ جب کہ یہ سارے ممالک ایک عالمی نظام کے تحت چل رہے تھے۔ ان ممالک کے داخلی نظاموں میں جو اختلافات تھے، ان کے حل کرنے کا نظام موجود تھا۔ اس کے باوجود ان کو تقسیم در تقسیم کے عمل سے کیوں گزارا گیا؟

یورپین ممالک جو کہ ماضی میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ آج وہ اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو رہے ہیں۔ کہیں یورپی یونین ہے تو کہیں G-8 ممالک کی تنظیم ہے۔ اور جو جماعت ایک ہزار سال تک متحد رہی ہے، ان کو سامراج نے تقسیم کرکے ساٹھ ممالک بنا دیے۔ اور ہم خوش ہوگئے کہ مسلمانوں کے اتنے ملک بن گئے۔ اس تقسیم در تقسیم کے عمل سے ہماری طاقت کمزوری کا

شکار ہوگئی۔اب ہم یہ خواہش رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا عالمی نظام قائم ہونا چاہیے۔لیکن اس کے لیے کوئی فکر ونظریہ اور کوئی جماعت موجودنہیں تو عالمی نظام کے قیام کے نتائج کیسے نکل سکتے ہیں۔

سوال2: اختلافاتِ مذاہب کے اس دور میں کیا فکرِ ولی اللہی الگ سے کوئی مسلک و مذہب ہے؟

جواب: بنیادی بات یہ ہے کہ فکر ولی اللّٰہی سے مراد یہاں کوئی الگ سے مذہب یا مشرب بنانا نہیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ وہ شخصیت ہیں جن پر یہاں کے تمام مسالک اور مشارب متفق ہیں۔کوئی سلسلۂ حدیث ایسا نہیں کہ جس کا سلسلۂ سند شاہ صاحبؒ تک نہ جاتا ہو۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے لکھا ہے کہ میں نے ہندوستان کے تمام اہلِ مدارس کو خطوط لکھے کہ آپ کا سلسلۂ حدیث کیا ہے؟ تمام نے متفقہ جواب دیا کہ ہمارا سلسلۂ سند شاہ صاحب تک پہنچتا ہے۔ ہماری دعوت صرف یہ ہے کہ امام شاہ ولی اللہؒ کی کتابیں موجود ہیں، ہم سب ان کو پڑھیں اور اس کے تناظر میں اپنے فکر و عمل کا جائزہ لیں۔اگر بات سمجھ میں آئے تو ٹھیک۔ ورنہ سوالات قائم کریں۔ تبادلۂ خیال کریں تا کہ بات سمجھ میں آئے اور کوئی نتیجہ نکلے۔کسی بات کو زبردستی تو مسلط نہیں کیا جاسکتا۔

سوال3: شاہ ولی اللہؒ کا فکر کیسے پڑھیں؟ جب کہ ان کی کتابیں عربی زبان میں ہیں اور آج کل طلبا کی استعدادیں بہت کمزور ہیں۔ان کے لیے شاہ صاحبؒ کی کتابیں پڑھنا بڑا مشکل ہے۔ نیز میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ نے قرآن فہمی کی بات کی ہے۔جب کہ صحابہؓ نے کہا ہے کہ **تعلّمنا الایمان ثم تعلّمنا القرآن**، صحابہ نے پہلے ایمان بنایا۔ پھر قرآن حکیم سمجھا۔صحابہؓ والا کام یہ ہے کہ پہلے ایمان پختہ کیا جائے۔ پھر قرآن فہمی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے؟۔

جواب: عربی زبان کے حوالے سے یہ ایک بڑا اَلمیہ ہے کہ وہ علوم جن کا ہماری معاشرتی تشکیل کے ساتھ بڑا گہرا تعلق تھا۔ہم ان سے بے بہرہ ہوتے جا رہے ہیں۔اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ حجۃ اللہ جو کہ عربی میں ہے۔اس کی قسم اوّل کا انگلش میں ترجمہ چھپ چکا ہے، تو اس کا مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم واَفکار کا مطالعہ دورِ حاضر کی بڑی ضرورت ہے۔

دوسری بات جو آپ نے فرمائی، وہ بڑی اہم ہے کہ صحابہ نے فرمایا: "**تعلّمنا الایمان ثم تعلّمنا القرآن**" اب ایمان کیا ہے، اس کو سمجھنے کی بڑی ضرورت ہے۔امام بخاریؒ، اپنی کتاب صحیح بخاری شریف کے شروع میں کتاب الایمان لائے ہیں۔جس میں وحی کی اساس پر ایمانیات کے بنیادی اُمور کی نشاندہی کی گئی ہے۔اس حوالے سے بخاریؒ ایک حدیث مبارکہ لائے ہیں۔جس میں حضورؐ نے ایمان کے حوالے سے تین بنیادی رویوں کی نشاندہی فرمائی ہے، حضرت عمار بن یاسرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ: "**ثلاث من جمعهنّ فقد جمع الایمان**" کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس فرد یا قوم نے اپنے اندر

www.rahimia.org

پیدا کرلیں تو درحقیقت اس نے ایمان کو مکمل طور پر اپنے اندر جمع کرلیا۔ اس نے ایمان کے بنیادی تقاضے پورے کرلیے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ (۱) "الانصاف من نفسک" کہ آپ کے دل و دماغ سے عدل و انصاف پھوٹے۔ عدل انصاف کا بنیادی رویہ آپ کے اندر پیدا ہونا چاہیے۔ اسی لیے قرآن حکیم نے فرمایا کہ: ''عدل کرو، کیوں کہ تقویٰ کے قریب یہی بات ہے''، (۲) "بذل السّلام للعالَم" کہ سلامتی اور امن کا نظام پوری انسانیت کے لیے قائم کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنا۔ (۳) "الانفاق من الاقتار" کہ وسائل کم ہونے کے باوجود ان کو اجتماعی طور پر تقسیم کرکے استعمال میں لانا۔ یہ اقتصادیات کا بنیادی اُصول ہے۔ اَبھی موضوع میں یہ بیان کیا گیا کہ ایک معاشرے کی تشکیل کے لیے فلسفہ، سیاست اور معیشت تین بنیادی اُمور کی ضرورت ہوتی ہے۔ فلسفہ اور فکر کی بنیاد ''عدل'' ہے۔ سیاسی نظام کی بنیاد ''اَمن وسلامتی'' ہے۔ اور اقتصادیات کی بنیاد معاشی وسائل کی درست اور منصفانہ تقسیم ہے۔ گویا کہ حضورؐ نے تین بنیادی اُمور کو اس حدیث میں واضح کردیا کہ جس میں یہ ہوں گے تو اس نے ایمان کو مکمل کرلیا۔

حضورؐ نے فرمایا ہے کہ: ''اس اُمت کے آخری دَور پر جب زوالِ عظیم آئے گا تو اس وقت اس کی اصلاح کا وہی طریقہ کار ہوگا جو کہ حضورؐ نے اس اُمت کے پہلے دَور میں اختیار کیا''۔

اب ایمان پختہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان تین رویوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی محنت کرنی چاہیے۔ اب ہم اگر اس فلسفے اور اُن سیاسی اور معاشی اُمور کو پیش نظر رکھ کر جدوجہد کریں جو کہ ہمارے غلبے کے دور میں رہے تو نتائج نکلیں گے۔ اب معاملہ تو یہ ہے کہ سرمایہ داری نظام کی تاریخ اڑھائی تین سو سال ہے۔ اور سوشلزم کی تاریخ سوڈیڑھ سو سال ہے۔ جب کہ دین اسلام پر مبنی نظام بارہ سو سال تک دنیا پر غالب رہا ہے۔ یہ غلبہ سیاسی، معاشی اور فکر و فلسفہ کے بنیادی اصول و قوانین پر مبنی تھا۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم غلبے کے دَور کے اساسی اصولوں کی بنیاد پر جدوجہد کریں گے تو نتائج نکلیں گے۔ مشکل یہ ہے کہ ہم نے زوال کے دور کو اپنا مقدر سمجھ کر قبول کرلیا ہے۔ اور اس کو دور کرنے کی کوئی ٹھوس حکمت عملی نہیں بنائی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ذلت، غلامی اور بہت ساری پستیاں ہمارا مقدر بن چکی ہیں۔

سوال 4: دین اسلام کے عملی نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کا راستہ کیا ہونا چاہیے؟

جواب: امام شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں مبحث ارتفاقات کے آخر میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ ایک طرف اجتماعیت اور مفادِ عامہ کے لیے کام کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، اور دوسری طرف انفرادی خواہشات کے مطابق کام کرنے والے طبقات ہیں۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اجتماعیتِ عامہ کی سوچ رکھنے والوں پر لازم ہے کہ وہ انفرادی خواہشات رکھنے والوں کے غلط نظام کو ختم کرنے کی جدوجہد اور

www.rahimia.org

کوشش کریں۔ اب یہ جدوجہد کس بنیاد پر ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں بھی ہمیں ولی اللہی جماعت سے رہنمائی ملتی ہے۔ چنانچہ موجودہ دور میں حضرت شیخ الہندؒ نے جب جمعیت علمائے ہند کی بنیاد رکھی تو اس وقت یہ بات واضح کردی تھی کہ ہم عدمِ تشدد کے اصول پر کام کریں گے۔ جب تک بہادر شاہ ظفرؒ کی آئینی حکمرانی یا خلافتِ عثمانیہ باقی رہی تو مسلمانوں نے ان کی اجازت سے آزادی اور حریت کے لیے مسلح جدوجہد میں حصہ لیا۔ لیکن جب وہ دونوں چیزیں ختم ہوگئیں تو ولی اللہی تحریک کی اجتماعیت نے یہ فیصلہ کیا کہ جدوجہد کا راستہ عدمِ تشدد کے اُصول پر ہوگا۔

سوال 5: آپ نے خلافت کی بات کی ہے۔ اسی سلسلے میں ہندوستان میں خلافت کو بچانے کے لیے تحریک خلافت چلائی گئی۔ جس میں جمعیت علمائے ہند اور ان کے زُعما نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مسلمان اُقلیت میں ہیں اور غیر مسلم اکثریت میں ہیں، خلافت کی تحریک چلانے کے حوالے سے آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں ہندوستان میں دو ادوار میں خلافت کی تحریکیں چلی ہیں۔ ایک تو 1919ء کی تحریکِ خلافت ہے۔ جمعیت علمائے ہند کے زُعماء اور دیگر قومی رہنماؤں نے اس کی تو بھرپور حمایت کی تھی۔ اور اس کو کامیاب بنانے کی حکمت عملی اختیار کی تھی۔ اس خلافت تحریک کے ذریعے سے ہندوستان بھر میں سیاسی بیداری کا کام لیا گیا۔ جب کہ دوسری تحریکِ خلافت 1924ء کے بعد چلی۔ اس میں مولانا ابوالکلام آزادؒ، جمعیت علمائے ہند اور قومی ذہن رکھنے والوں نے شرکت نہیں کی۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں خلافت کا وہ تصور کہ خالص مسلمانوں کی حکومت قائم کی جائے، یہ تصور درست نہیں بلکہ ہندوستان میں 1857ء کے بعد سیاسی جدوجہد کا وہ طریقہ صحیح اور درست ہے جس کی نشاندہی حضرت گنگوہیؒ نے اپنے ایک فتوے کی صورت میں 1886ء میں فرمائی کہ ''ہمیں سیاسی اور معاشی جدوجہد اپنے اَبنائے وطن کے ساتھ مل کر کرنی چاہیے''، اور اسی بات کو حضرت شیخ الہندؒ نے بھی جمعیت علمائے ہند کے افتتاحی اِجلاس میں اپنے خطبۂ افتتاح میں واضح کیا کہ مذہبی معاملات میں تو اس خطے کے تمام مذاہب کے ماننے والے اپنے اپنے عقائد و اَعمال کے مطابق کام کریں گے۔ لیکن سیاسی اور معاشی معاملات میں اَبنائے وطن کے ساتھ مل کر اجتماعی جدوجہد اور کوشش کرنے سے کامیابی ملے گی۔ گویا حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوستان میں جدوجہد کا صحیح رُخ اور درست طریقۂ کار دونوں واضح کردیے۔

صدرِ مجلس کے تأثرات

(سوال و جواب کی نشست کے بعد اسٹیج سیکرٹری نے صدرِ مجلس جناب پروفیسر بدرالدین الحافظ،

www.rahimia.org

سابق صدر شعبہ علومِ اسلامیہ، ہندو یونیورسٹی، بنارس کو اپنے تأثرات کا اظہار کرنے کی دعوت دی، چنانچہ انھوں نے درجِ ذیل تأثرات کا اظہار فرمایا)

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم میں سب سے پہلے شکرگزار ہوں (مولانا) مزمل الحق قاسمی صاحب کا۔ کہ جنہوں نے اتنے عظیم جلسے کا اہتمام کیا۔ میں کیا عرض کروں! کہ میں اپنی زندگی میں 1956ء سے اس جامعہ میں ہوں۔ میں نے کبھی بھی شاہ ولی اللہؒ کے اوپر اتنا جامع خطبہ جو تمام دنیاوی حالات اور مسلمانوں کے حالات اور اس کے پس منظر میں شاہ صاحبؒ کی تعلیمات سے متعلق ہو، ایسا خطبہ میں نے اب تک نہیں سنا۔ یہ میری زندگی میں پہلا موقع ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور بھی ایسے مواقع عطا کرے۔

اب مجھے ایک بات یاد آرہی۔ چونکہ پرانا آدمی ہوں۔ جب میں 1956ء میں جامعہ ملیہ میں آیا تھا تو پروفیسر مجیب صاحب جو کہ تاریخ کے آدمی تھے اور انہوں نے مسلم انڈیا کی تاریخ پر کتاب بھی لکھی ہے۔ وہ اس وقت عظیم آدمی سمجھے جاتے تھے۔ ایک مجلس میں انھوں نے کہا۔ چونکہ وہ مؤرخ تھے اور غالباً انہوں نے اسلام کو تاریخ کے ذریعے سے سمجھا تھا۔ بعض سوالات اور بعض باتیں ان کی بہت اچھی ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ اور لوگوں کی موجودگی میں وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ بھائی بدر صاحب یہ بتایئے! کہ کیا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے بعد ہندوستان میں کوئی مولوی پیدا ہوا؟ یہ ایسی بات تھی کہ میں سن کر حیران ہوگیا اور میں نے کہا کہ اس وقت ہندوستان میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی صاحب، مولانا محمد میاں صاحب، مولانا احمد سعید دہلوی صاحب اور کتنے علما موجود ہیں۔ اور قاری محمد طیب صاحب اور یہ تمام علما اس وقت موجود تھے۔ میں نے کہا کہ بھائی! یہ سارے علما موجود ہیں۔ یہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پائے کے نہ سہی اپنے زمانے کے بڑے علما تو ہیں! پروفیسر بڑے بے باک آدمی تھے۔ انہوں نے کہا کہ: ''بھائی! یہ جتنے علما ہیں، سب وضو اور غسل کے مسائل لکھنے والے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے مقابلے میں ان کی کیا حیثیت ہے؟''۔ یہ کہہ کر انہوں نے بات ختم کردی۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی اہمیت ان کے نزدیک کتنی تھی کہ ان کا کہنا تھا کہ شاہ ولی اللہ کے بعد ہندوستان میں کوئی مولوی پیدا نہیں ہوا جو قوم کی درست رہنمائی کرسکے، یہ تو ان کی بات تھی اور میں نے اپنی بات پہلے ہی کردی کہ میں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ اتنا جامع خطبہ سنا ہے۔

میرا تو یہ خیال تھا کہ یہ جلسہ کسی بڑے ہال میں ہوتا۔ اور ورکنگ ڈے میں نہ ہوتا تا کہ تمام پروفیسر حضرات شامل ہوسکتے اور استفادہ کرتے۔ میں آخر میں مفتی عبدالخالق آزاد صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور مولانا مزمل الحق صاحب کا بھی شکریہ کہ انہوں نے اس سارے پروگرام کا اہتمام کیا۔ بہت شکریہ!

آراء و تأثرات

گرامی نامہ

محترم ومکرمی جناب مفتی عبدالخالق آزاد صاحب السلام علیکم

میں انتہائی ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے حضرت رائے پوری مدظلہ کے حوالے سے یاد کیا، اور اپنی کاوشوں سے ''شعور و آگہی'' کا نسخہ عطا فرمایا۔ رسالہ ''عزم'' ہو یا ''شعور و آگہی'' ہو، یہ آج کل کے دور میں ذرائع ابلاغ (Media) کے اندر انقلاب کی آواز دیتا ہے۔ یہ حضرت جی کی تربیت اور برکات کا نتیجہ ہے۔ میں آپ کو اور پوری ٹیم کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

تاریخ کی کڑیوں کو ملا کر تسلسل کی بات کرنا، اور پھر حالاتِ حاضرہ پر لکھنا ایک مشکل چیلنج ہے ......اگر ممکن ہو تو عزم اور شعور و آگہی کی ٹیم میں کچھ فرق ڈال لیں، اور ملکی و بین الاقوامی حالات پر زیادہ مضامین لکھے جائیں۔

صرف تاریخ پر تحقیق اور یاد کرنا ایسے ہی ہے، جیسے آثارِ قدیمہ پر محنت کرنا ہے۔ تاریخ کو تحریک اور انقلاب میں بدلنے کے لیے نظریہ، شعور، علم اور محنت و تحقیق سے حالاتِ حاضرہ پر تطبیق کرنا ہوگی۔ اس کے لیے ہمیں نظریاتی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی ماہرین بھی تیار کرنا ہوں گے۔ آج کل ذرائع ابلاغ (Media) تیسری دنیا میں اسٹیبلشمنٹ کا حصہ ہے۔ اس پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔ جمہوریت اور عوامی انقلاب کی بات کرنا ہوگی۔ انسانی حقوق اور معاشی نظام پر مضامین لکھنے کی ضرورت ہے۔ تصوف، انقلاب اور عوامی سیاست کے صحیح تصور کو اُجاگر کرنا ہوگا۔

میری دعا ہے کہ حضرت جی مدظلہ کا سایہ میسر رہے اور ایسی کاوشوں کا سلسلہ جاری رہے، حضرت جی مدظلہ اور تمام متوسلین کی خدمتِ اقدس میں نیازمند کا سلام قبول ہو۔

احقر دعا گو ڈاکٹر عبدالرؤف بھٹہ اسلام آباد حال مقیم ناران مؤرخہ 13/10/2009

شعور و آگہی پر تبصرہ

(سہ ماہی شعور و آگہی کے پہلے شمارے پر ماہنامہ ''نورٌ علی نور'' فیصل آباد میں اپنی اشاعت دسمبر 2009ء/محرم الحرام ۱۴۳۱ھ میں تبصرہ شائع کیا ہے۔ اس رسالے کے رئیس التحریر مولانا عبدالرشید انصاری ہیں۔ اور تبصرہ نگار احمد یعقوب قادری رائے پوری ہیں۔ ذیل میں یہ تبصرہ پیش خدمت ہے)

''نام کتاب: سہ ماہی ''شعور و آگہی'' لاہور زیرِ سرپرست: شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہٗ۔ زیرِ نظر مجلّہ کے

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد صاحب کے مطابق ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ اپنی تشکیل وتعمیر و ترقی کے تقریباً دس سال پورے کر چکا ہے۔ دیگر خدماتِ دینیہ کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ ادارے نے اہل علم و دانش اور علما و فضلا کے لیے یہ سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی'' کے نام سے جاری کیا ہے۔ جس کا مقصد ملک کے سماجی اداروں کی تشکیل کے لیے دینی جامعیت پر مبنی باشعور اجتماعیت سے آگہی و شعور کی بڑی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔ ان کا مؤقف ہے کہ آج ہماری نوجوان نسل کے لیے دینی نقطۂ نگاہ سے سماجی، سیاسی اور معاشی تشکیل کی مثبت اقدار سے پوری آگہی رکھنا وقت کا تقاضا اور اہم دینی اور قومی ذمہ داری ہے۔

سہ ماہی ''شعور و آگہی'' کا یہ پہلا شمارہ ہے۔ اس شمارے میں مطالعہ قرآن، مطالعہ سیرت نبویؐ، مطالعہ سیرت صحابیاتؓ کے حوالے سے تین طویل دورانیے کے مضامین ہیں۔ چوتھے ''تعارف شخصیات'' کے حوالے سے حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کا شمار امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے خصوصی شاگردوں میں ہوتا ہے۔ تمام مضامین کے آخر میں حوالہ جات و حواشی تفصیلاً درج ہیں تاکہ قاری کو اُلجھن نہ ہو اور مضامین کو دستاویزی سند حاصل ہو۔ تینوں مضامین اپنے اپنے عنوانات کے لحاظ سے قاری کو دعوتِ غور و فکر دیتے ہیں اور ہر مضمون ایک نادر علمی فکری کاوش ہے۔ ''تعارفِ شخصیات'' کے حوالے سے تحریر جامع تعارف پر مبنی ہے۔ بھولی بسری شخصیات جو اپنے وقت میں علم و عمل کی پہچان تھے، کی یاد اور تذکرہ ایک بہترین تعمیری سوچ ہے۔

سہ ماہی ''شعور و آگہی'' کا پہلا شمارہ ایک معیاری اور علمی فکری مجلّہ ہے۔ اُمید ہے اس کا یہ معیار قائم رہے گا بلکہ مزید بہتری آئے گی۔ رسالے کے مدیر اعلیٰ صاحب، مفتی آزاد صاحب کا مؤقف ہے کہ ''شعور و آگہی'' کا اجرا محض اس لیے کیا گیا کہ دین کے جامع نظریہ وفکر و عمل کا بھرپور شعور اُجاگر کیا جائے اور فلسفہ ولی اللہی کو باشعور طبقے تک پہنچایا جائے۔ اسی لیے اس کا نام ''شعور و آگہی'' رکھا گیا۔ رسالے کا معیار دیکھ کر مفتی صاحب کی بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ ماشاء اللہ رسالہ اسم بامسمّٰی ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

یہ سچ ہے کہ اس دور میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا انقلابی فکر و فلسفہ قوم کو بیدار کرنے اور قوم کے لیے کوئی لائحہ عمل ترتیب دینے میں مدد دے سکتا ہے مگر میرے خیال میں قومی انحطاط اس سطح پر چلا گیا ہے کہ قوم کو بیدار کرنے کے لیے صرف نظریے کا پرچار ہی کافی نہیں، اس کے لیے زبردست ٹیم ورک کی ضرورت ہے۔

حق نے کرڈالی ہیں دوہری خدمتیں تیرے سپرد
خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے

ضمیمہ عکس دستورِ اساسی ''حزب الانصار''

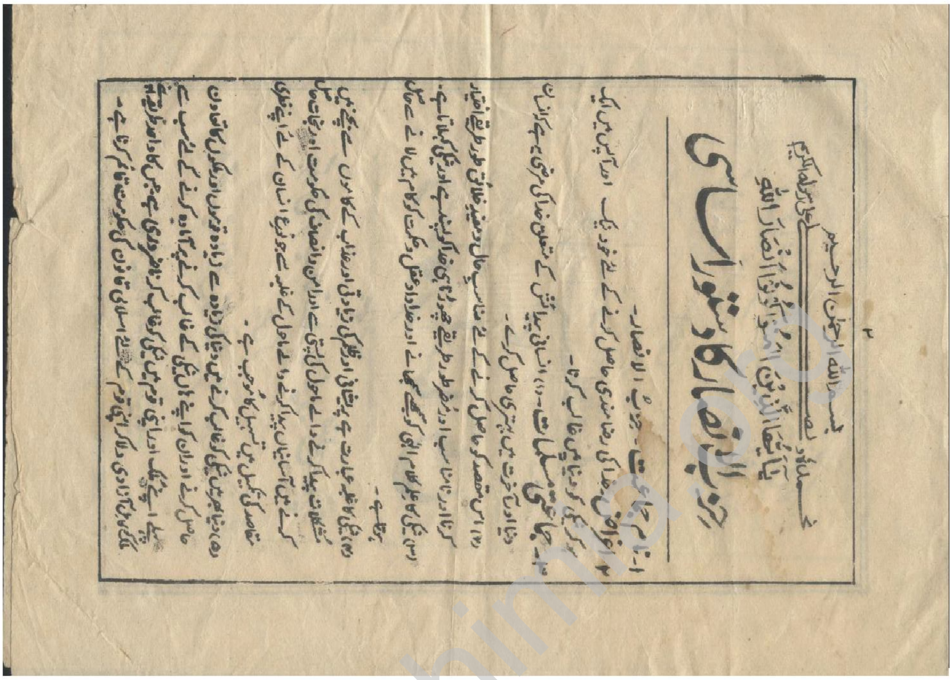

٢

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ

حزب الانصار کا دستور اساسی

۱۔ نام جماعت۔ حزبُ الانصار۔

۲۔ اغراض۔ خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے خود نیک اور آپس میں ایک ہو کر نیکی کو دنیا میں غالب کرنا۔

۳۔ جماعتی مسلمات۔ (۱) انسانی پیدائش کے متعلق خدا کی مرضی یہ ہے کہ انسان دنیا اور آخرت میں بہتری حاصل کرے۔

(۲) اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مناسبِ حال و مفید خلائق طور طریقے اختیار کرنا اور نامناسب اور مُضر طور طریقے چھوڑنا ہی خدا کو پسند ہے اور نیکی کہلاتا ہے۔

(۳) نیکی کا علم کلام الٰہی کو ٹھیک سمجھنے اور خداداد عقل و حکمت کو کام میں لانے سے حاصل ہوتا ہے۔

(۴) نیکی کا غلبہ عبارت ہے پریشانی اور ظلم کی زیادتی اور عذاب کے کاموں سے بچنے میں مشکلات پیدا کرنے والے ماحول کی پستی سے اور امن و انصاف کی حکومت اور نجات حاصل کرنے میں آسانیاں پیدا کرنے والے ماحول کے غلبہ سے جو نوعِ انسان کے لئے اپنے فطری مقاصد کی تکمیل میں تسہیل کا موجب ہے۔

(۵) دنیا بھر میں نیکی کو غالب کرنے میں دنیا کی زیادہ سے زیادہ قوموں اور ملکوں کا تعاون حاصل کرنے اور ان کو اپنے ہاں نیکی کے غالب کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنے ملک اور اپنی قوم میں نیکی کو غالب کرنا ضروری ہے جس کا واحد طریقہ ملک کو کامل آزادی دلا کر اپنی قوم کے لئے اسلامی قانون کی حکومت قائم کرنا ہے۔

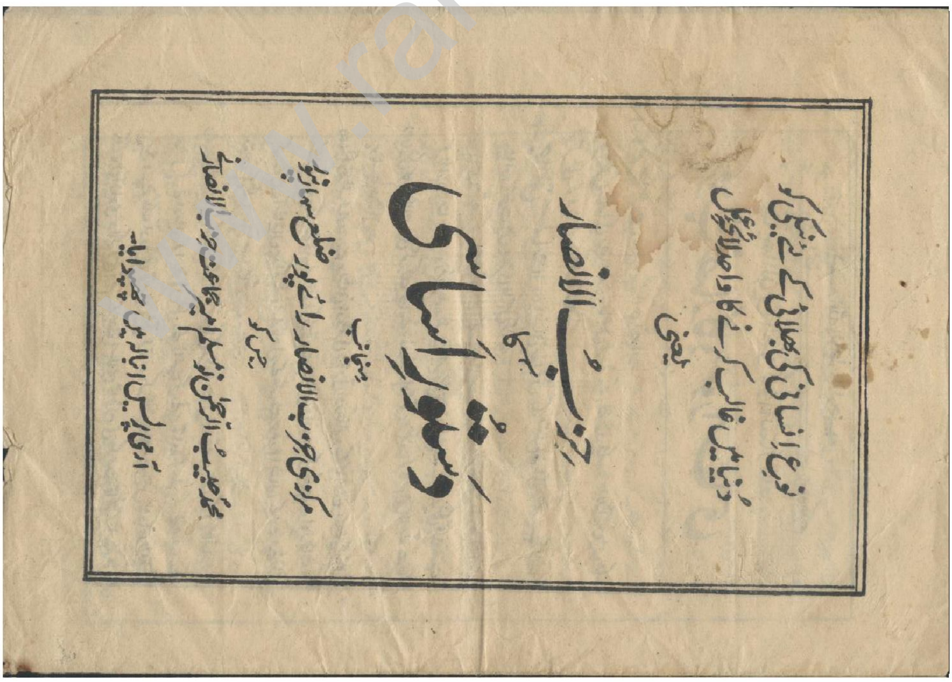

نوعِ انسانی کی بھلائی کے لئے نیکی کو
دُنیا میں غالب کرنے کا واحد لائحۂ عمل
یعنی

حزبُ الانصار
کا
دستورِ اساسی

منجانب
مرکزی حزب الانصار رائے پور ضلع سہارنپور
جس کو
محمد حبیب الرحمٰن نومسلم امیر جماعت حزب الانصار نے
آرمی پریس انبالہ میں چھپوایا۔

www.rahimia.org

۳

(۶) ایسے نیک انقلابی اقدام کے لئے بارہ ہزار ایسے انسان درکار ہیں جو قرآنی معیار پر لتے الوسع نیک اور ایک ہو کر نیکی کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے سب کچھ قربان کرنے کو ہمہ تن تیار ہوں۔

(۷) مذکورہ بالا تعداد کا حصول چنداں مشکل نہیں کیونکہ ہم میں لاکھوں کروڑوں سلیم الفطرت انسان خدا کی مقدس بادشاہت کے اچھے اور سچے سپاہی بننے کے دل و جان سے آرزو مند ہیں۔ بشرطیکہ اُن کے لئے کلامِ الٰہی اور سُنّتِ نبوی کے مطابق صحیح اور عملی تربیت کے اجتماعی نظام کا قیام ہو جو نوعِ انسان کے باغ نظر افراد پر اہم الواجبات سے ہے۔

۴۔ مقاصد (۱) جماعتی اغراض کو مذکورہ بالا مسلمات کی روشنی میں علمی طور پر حل کرنے کے لئے کلامِ الٰہی اور حکمتِ خداوندی کے سمجھنے سمجھانے کی اجتماعی جد وجہد کرنا۔

(۲) جماعتی اغراض کو مذکورہ بالا مسلمات کی روشنی میں عملی طور پر حل کرنے کے لئے علم و حکمت کے مطابق صحیح اور عملی تربیت کے اجتماعی نظام کا قیام و بقا۔

(۳) اس نظام کو دُور تک پھیلانے اور دیر تک چلانے کے سلسلہ میں پیش آنے والے مسائل کو حل کرنا اور ضروری وسائل کا اہتمام۔

۵۔ شرائط رکنیت۔ ہر انسان جو حزب الانصار کے اغراض و مقاصد اور جماعتی مسلمات سے کامل اتفاق رکھتا ہو اور بلا چون و چرا امیرِ جماعت کا ہر جائز حکم ماننے کا عہد کرے۔ جماعت کی رُکنیت کی چہار اقسام میں سے جو قسم اس کے مناسب حال ہو اُس میں شامل کیا جانے پر رکن شمار ہو گا

۶۔ اقسام رُکنیت۔ جو انسان جملہ شرائط رکنیت پوری کرے اور ایسی جماعتی زندگی بسر کرنے کی تربیت حاصل کرنا قبول کرے گویا وہ میدانِ جنگ کا سپاہی ہے جو تربیت کی مشقوں میں ہمہ تن مصروف رہنے اور محاذِ جنگ پر جانے کو ہر دم تیار ہو "مجاہد" شمار کیا جائے

(۲) جو انسان جملہ شرائط رکنیت پوری کرے اور مجاہدانہ زندگی کی تربیت حاصل نہ کرنے کی کوئی قابلِ تسلیم وجہ بیان کرے اور ایسی جماعتی زندگی بسر کرنے کی تربیت حاصل

۴

کرنا قبول کرے گویا وہ "محفوظ" سپاہی ہے جو عام حالات میں تربیت کی سرسری مشق جاری رکھنے اور خاص حالات میں حکم پاتے ہی مجاہدانہ قواعد سے شریکِ عمل ہونے کو ہر دم تیار ہے "قاعد" شمار کیا جائے۔

(۳) جو انسان جملہ شرائط رکنیت پُوری کرے اور مجاہدانہ و قاعدانہ زندگی کی جسمانی تربیت میں کسی جسمانی عذر کی بنا پر شریک ہونے سے معذور ہو اور ایسی جماعتی زندگی بسر کرنے کی تربیت حاصل کرنا قبول کرے جو جماعتی وفاداری خیر خواہی اور پُوری معاونت کے شایانِ شان ہے "معاون" شمار کیا جائے۔

(۴) جو انسان جملہ شرائط رکنیت پُوری کرے اور مجاہدانہ و قاعدانہ زندگی کی جسمانی تربیت میں شریک نہ ہونے کا جسمانی ضرر کے علاوہ کوئی اور قابلِ تسلیم عذر بیان کرے اور ایسی زندگی بسر کرنے کی تربیت حاصل کرنا قبول کرے جو جماعتی وفاداری خیر خواہی اور ایسی امکانی جد وجہد کے شایانِ شان ہو جو اُسے قاعدانہ یا مجاہدانہ زندگی کی تربیت حاصل کرنے کا اہل بنانے والی ہے "معذور" شمار کیا جائے۔

۷۔ امارت۔ ملک کی کامل آزادی سے پیشتر جامع الشروط امارت کا انعقاد شرعاً مفقود ہے۔ لہٰذا تنظیم و تربیت اور انقلابی جد وجہد کے پیشِ نظر اندریں حالات مشابہ بہ امارت صورت اختیار کی جاتی ہے۔ جس میں امارت کی ہیئت انتخابی قواعد اور امیر کے اختیارات حسب ذیل ہیں:۔

۸۔ امارت کی ہیئت (۱) جماعتی نظم و نسق کے قیام و بقا۔ نصابِ تربیت کی تجویز و تدوین اور انقلابی جد وجہد کی ذمہ دارانہ قیادت و رہنمائی کے پیشِ نظر امیرِ جماعت پر کُلی اعتماد کرتے ہوئے صرف چند پابندیوں کے ساتھ جو محض انسانی تجرباتی کمزوریوں کو رفع کرنے کے لئے ضروری خیال کی گئی ہیں امیرِ جماعت کو حزب الانصار کا ڈکٹیٹر قرار دیا گیا جو دستورِ اساسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر امر کی تجویز و تدوین۔ ترمیم و تنسیخ اور تغیر و تبدل کا مختار ہے۔

(۲) امیرِ جماعت امارت قبول کرتے وقت خدا کو حاضر و ناظر جان کر جماعتی اغراض

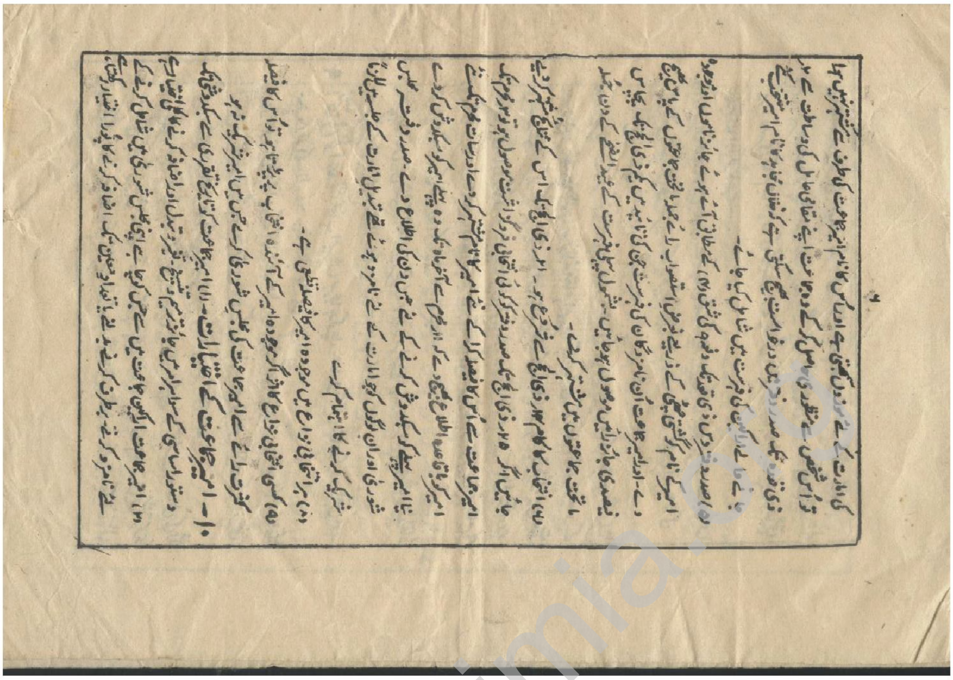

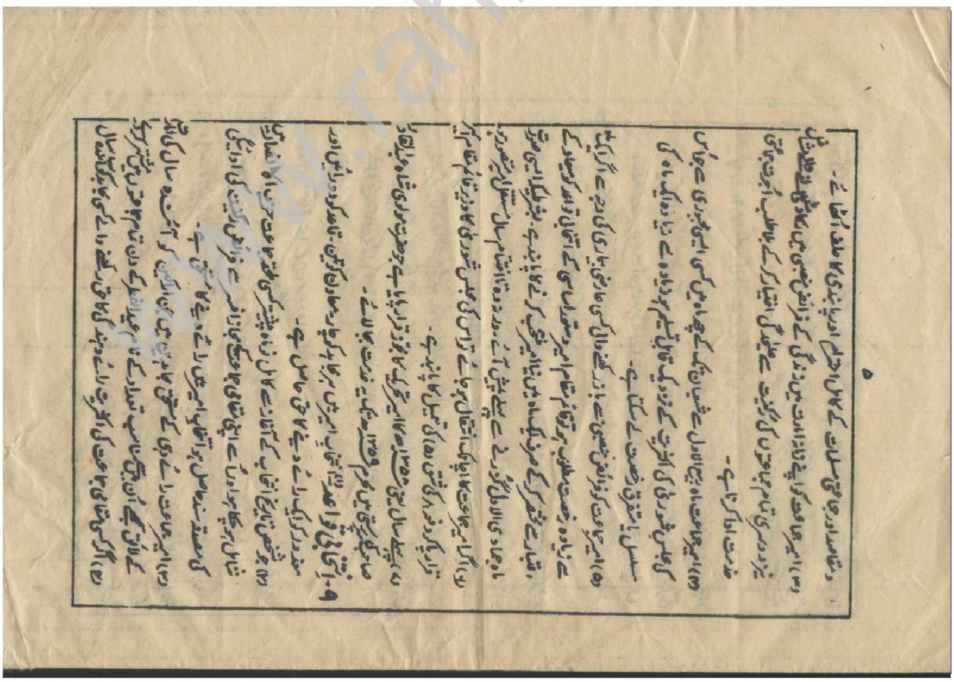

www.rahimia.org

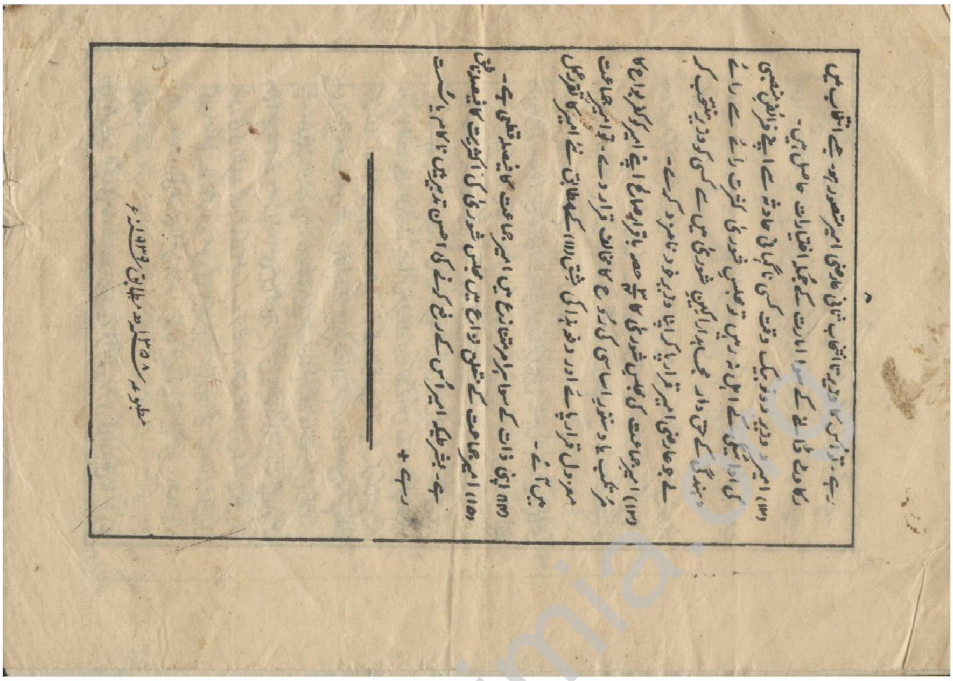

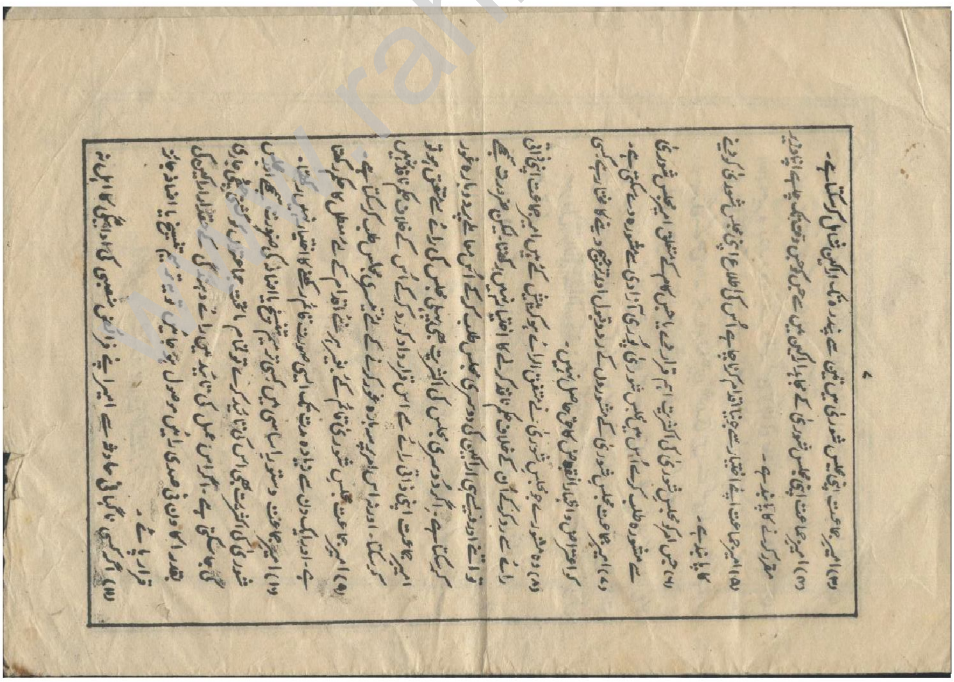

مسلمان معاشروں میں معاشی حوالے سے سوچ کا بحران

''یہی ہماری سوچ معاشی نظام کے حوالے سے ہے۔ ایک طرف وہ طبقہ ہے جس نے معاشی معاملات کو مقدر جان کر اپنی معاشی ذلت و افلاس پر قناعت اختیار کر لی ہے۔ دوسری طرف معیشت کے نام پر ہمارے مسلمان ملکوں میں جو کچھ نافذ العمل ہے، وہ سرمایہ داری نظام ہے۔ 1947ء سے قبل برطانیہ کے معاشی نظام کے زیرِ تسلط زندگی بسر کرتے تھے اور اب ہمارے نوجوان ملٹی نیشنل کمپنیوں کا نظام چلا کر ان کے آلۂ کار ہونے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس نوجوان کا اقتصادی نقطۂ نظر سے اپنا سکول آف تھاٹ کیا ہے؟ قرآنی اصولِ معاشیات کیا ہیں؟ اور قرآنی فکر انسانی مسائل کو کیسے حل کرتا ہے؟ اس حوالہ سے اس کے پاس کوئی فکر اور نالج نہیں ہے۔ وہ اپنے نام کی شناخت میں، اور اپنی رسومات میں اور اپنی عبادات میں تو مسلمان ہے لیکن جب وہ معیشت کے میدان میں کام کرنے کے لیے جاتا ہے تو وہ سرمایہ داری نظام یا سوشلزم میں کام کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس کا اپنا فکر اور نظریہ کیا ہے؟ اس حوالہ سے اس کے پاس کوئی سوچ نہیں ہے۔

یہ ہے اصل میں عصرِ حاضر کا بحران۔ اس بحران کی گہرائی دیکھئے! کہ نہ ہمارے فکر و نظریے میں دینی حوالے سے پوری یکسوئی ہے۔ نہ سیاسی شعور موجود ہے۔ اور نہ ہی معاشی اطمینان و ترقی کی کوئی سوچ موجود ہے۔ حال آں کہ قرآن حکیم نے کامیاب معاشروں کے لیے کہا ہے کہ وہ: كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ (۱۱۲:۱۶) (امن و امان والے ہوں اور معاشی طور پر ایسے مطمئن ہوں کہ انھیں ہر سمت سے رزق فراوانی سے حاصل ہوتا ہو۔)

ایسے حالات میں سوال اُٹھتا ہے کہ ''پس چہ باید کرد؟''۔

(دورِ حاضر میں ولی اللّٰہی فکر کی اہمیت)

www.rahimia.org

QUARTERLY
Shauor o Aaghi
Lahore

JANUARY - MARCH 2010 Issue # 1 Vol.#2 Regd.# 370-S

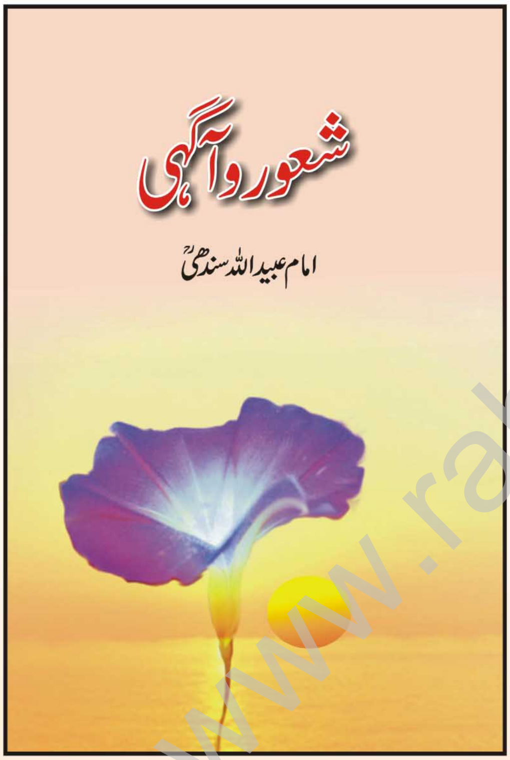

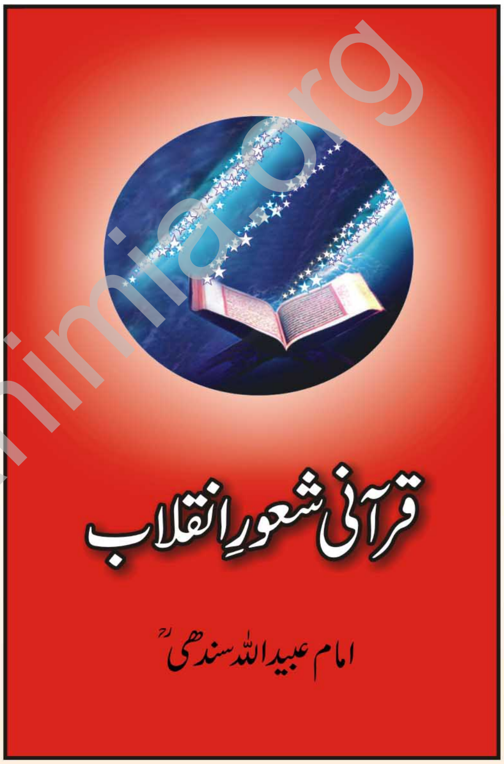

www.rahimia.org

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ، شاہراہِ فاطمہ جناح، لاہور